

طريق النجاة

تأليف

عارف بالله حضرت علامہ محمد حسن صاحب فاروقی مجددی رحمۃ اللہ علیہ

طریق النجاة

تألیف

عارف باللہ حضرت علامہ محمد حسن صاحب فاروقی مجددی رحمۃ اللہ علیہ

اُردو ترجمہ

حضرت مولانا محمد اسلم جان صاحب مجددیؒ ابن حضرت مصنف علیہ السلام

طنڈہ سائیں داد، حیدرآباد، سندھ

تصحیح و ترتیب

حافظ محمد اشرف مجددی

ناشر

مکتبہ نعمانیہ

اقبال روڈ ○ سیالکوٹ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : "طریق النجات"

مصنف : خواجہ پیر محمد حسن جان مجددی سرمنہدی (رحمۃ اللہ علیہ)

مترجم : مولانا حافظ پیر محمد ہاشم جان سرمنہدی رحمۃ اللہ علیہ

تصحیح و ترتیب : حافظ محمد اشرف مجددی سیالکوٹ

اشاعت اول : ۱۹۳۱ء / ۱۳۵۰ھ

اشاعت دوم : ۱۹۶۹ء / ۱۴۰۰ھ

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : مکتبہ نعمانیہ اقبال روڈ، سیالکوٹ

کتابت : محمد حفیظ قریشی رحید والی، ڈسکہ (ضلع سیالکوٹ)

قیمت : ۱۲/۰۰ روپے

فہرست "طریق النجات"

۳۷	فضائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	عرض نامشر
۴۴	فضائل اہل بیت آل اطہار رضی اللہ عنہم	تعارف مصنف کتاب
۴۵	تنبیہ حسن	تعارف مترجم
۴۶	مغذہ	عرض مترجم
۴۹	فصل۔ ان چیزوں کا بیان جو عذاب الہی سے نجات کا سبب ہیں	تمہید
۴۹	یجرۃ	نجاتِ آخرت کا دار و مدار
۵۰	اہل قرآن	ایمان کامل کے معنی
۵۱	رافضیہ، تاجریہ اور معتزلہ وغیرہ	اطمینان قلب کے بارگاہِ ایزدی میں مشاہدہ کے لیے انبیاء کا سوال کرنا۔
۵۴	فائدہ مہمہ (ضرورت عقیدہ)	حصوٰر اقدس کے اطمینان کی شان
۶۷	فائدہ مہمہ (غیر عقیدین کا اعتراض اور اس کا جواب)	فصل (عقل معاش اور عقل معاد)
۶۷	تعریف و تقسیم بدعت	فصل (ایک عقلی اعتراض اور اس کا جواب)
۷۰	فصل۔ اعمال بدنیہ	فصل (عقل ناقص کی پیروی کتنا کا سبب ہے)
۷۱	اخلاص نیت	اسلام کی بنا تقسیم یقین پر ہے۔
۷۶	پانچ نمازوں کی ادائیگی کا طریقہ اور ہر مترجم مکمل مع ضروری نکات	اللہ پر ایمان
۸۰	نماز کے اسرار	فرشتوں پر ایمان
۸۲	روزہ	خدا کی کتاب اور رسولوں پر ایمان
۸۵	حج	یومِ آخرت پر ایمان
۸۸	زیارت مدینہ	تقدیر پر ایمان
۹۰	زکوٰۃ	مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان
۹۲	نقلی صدقہ	فصل (عذابِ آخرت سے نجات دینے والے امور)

۱۲۳	شکر	۹۴	فصل (اعمالِ روحانیہ)
۱۲۶	خوف اور امید	۹۸	غضب
۱۳۰	تقویٰ	۱۰۰	کینہ اور حسد
۱۳۴	زہد اور فقر	۱۰۱	بخل اور مال کی محبت
۱۳۷	توکل	۱۰۲	حرص اور طمع کی برائی اور فداغت کی مدح
۱۴۰	محبتِ الہی	۱۰۳	بخل کی مذمت
۱۴۴	رضا	۱۰۴	ریا کی مذمت
۱۴۶	رضا اور دعا	۱۰۶	کبر کی مذمت
۱۴۸	کفار سے بغض	۱۰۸	فصل - آفاتِ زبانی
۱۵۰	اخلاص	۱۰۹	فحش، گالی بکنا، بکواس اور بد گوئی
۱۵۴	سچائی	۱۱۰	شعر - اور خوش طبعی اور ٹھٹھا تمسخر
۱۵۶	فصل (تصوف کالباب)	۱۱۱	حبوٹ بولنا اور حبوٹی قسم کھانا
۱۵۷	انتخابِ ارشاداتِ عارف باللہ	۱۱۲	غیبت
۱۵۷	شیخ احمد اسکندرانہ رحمۃ اللہ علیہ	۱۱۴	چغلی کھانا
۱۸۰	مقالاتِ حکمت	۱۱۶	شکم پُری
۱۸۹	رسالہ تنویر در بیان مسئلہ تقدیر	۱۱۷	بھوک کی فضیلت
۲۱۲	تقریباتِ علماء کرام	۱۱۸	فصل (نجات و منہاجہ مور کے بیان میں) توبہ
		۱۲۱	صبر



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مُحَمَّدٌ صَلَّى عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

عرضِ ناشر

”طَرِيقُ النِّجَاةِ“ آپ کے ہاتھوں میں سے ہے۔ آج تک بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ جن کا عدد شمار ہماری طاقت سے باہر ہے۔ لیکن وہ کتابیں جن سے انسانیت کا سبق ملے، ہدایت کا راستہ معلوم ہو اور ان پر عمل کر کے نجات و سعادت حاصل ہو، ایسی کتابوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ زیر نظر کتاب دیکھنے میں چھوٹی سی کتاب ہے، حقیقت میں بڑی عظیم اور مفید کتاب ہے کیونکہ مغز تھوڑا ہی ہوا کرتا ہے۔ غور فرمائیے آدمی اشرف المخلوقات ہے لیکن اس کا دماغ اور مغز شاید تمام جسم کا ہزارواں حصہ ہوتا ہو۔ ایسے ہی اگر آپ دل کو دیکھیں جو سارے جسم کا بادشاہ ہے جس کی حرکت بند ہونے سے سارا جسم مٹی کا ڈھیر ہو جاتا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ ہر چیز کا مغز اور نچوڑ مقدار میں تھوڑا ہی ہوتا ہے لیکن قدر و قیمت میں سب سے بڑھ کر بلا مبالغہ یہی حال اس کتاب کا ہے اس کے چھاپنے کی غرض صرف اور صرف یہ ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی اس مصروفیت کے دور میں بڑی بڑی اور زیادہ کتابوں کا مطالعہ کرنے کے لیے زیادہ وقت نہیں نکال سکتے اس لیے ایک ایسی مختصر دستاویز کی ضرورت تھی جو ہدایت کی کنجی ہو ان کے ہاتھوں میں پہنچا دی جائے تاکہ اس پر عمل کر کے اصلی کامیابی اور عذابِ آخرت سے نجات پائیں۔

”طَرِيقُ النِّجَاةِ“ کے متعلق سڑے سڑے علماء اور فضلاء نے بہترین اور قیمتی رائیں ارشاد فرمائی ہیں بطور نمونہ چند تحریریں پیش کی جاتی ہیں تاکہ قارئین کو اس کتاب سے فائدہ اٹھانے کی رغبت ہو اور راہِ نجات نصیب ہو۔

علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”یہ کتاب عقائد، فقہ اور تصوف کے بنیادی مسائل پر مشتمل ہے جن کا ذکر حدیث جبریل میں اسلام، ایمان اور احسان کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔ مصنف علامہ

نے ایسے نئے اسلوب پر تالیف فرمایا ہے جس سے ذہن وقت نہیں محسوس کرتے اور صحیح عقائد، عقلی اور نقلی دلائل سے پیش فرمائے ہیں۔“

فاضل اجل حضرت مولانا عبدالقیوم سندھی (مرحوم) تحریر فرماتے ہیں:

”یہ کتاب جنت کی طرف (جانے والا) ضراط مستقیم سے، انسانوں اور جنوں کے لیے نجات کی راہ ہے، جس نے بھی اس کتاب کو لے کر پڑھا اور اس پر عمل کیا وہ ہدایت اور نجات پا گیا۔ جس نے اس سے منہ موڑا اور انکار کیا وہ گمراہ اور سرکش ہوا۔ کیونکہ یہ کتاب خلاصہ ہے اس (کلام) کا جو رحمن نے نازل فرمایا اور عمدہ انتخاب ہے سیدالانس والجان صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا انجمن،“

حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم یاسینی (مرحوم) ناظم جمعیت احناف سندھ رقمطراز ہیں:

”یہ (طریق النجات) دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کا وسیلہ ہے اور یہ ذخیرہ ہے زندگی میں مرنے کے بعد کے لیے بھی۔ الخ“

علامہ العصر حضرت مولانا محمد حسن مرحوم سجادہ نشین درگاہ کشپار شریف ونضی بلوچستان فرماتے ہیں:

”یہ (کتاب) ایک پُر رونق باغیچہ ہے یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اس کی ترتیب و تہذیب بہت عمدہ ہے، معانی کی اعتبار سے بڑی جامع اور الفاظ مختصر ہیں۔ الخ“

زبدۃ النضلاء حضرت مولانا عبدالحی مرحوم سجادہ نشین درگاہ پٹ میاں صاحب راقم ہیں:

”طریق النجات“ حاصل کرنے کے لیے جلدی کر دو کیونکہ یہ کتاب جنت کے پھلوں تک پہنچانے والی ہے۔“

بہت سے علماء و مشائخ نے اس کتاب کی تعریف اور خوبیاں ذکر فرمائی ہیں۔ سب کے بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں اور نہ ہی ضرورت ہے کیونکہ عقل مند کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔

اس اشاعت کی خصوصیات | کتاب ہذا کی اس اشاعت میں قارئین کی سہولت کے لیے چند چیزوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ امید ہے

اہل علم حضرت پسند فرمائیں گے۔

(۱) ترجمہ کے ساتھ قرآنی آیات و احادیث کا اصل متن بھی درج کر دیا ہے۔

(۲) آیات شریفہ کا حوالہ پارہ اور رکوع نمبر کی صورت میں لکھ دیا ہے۔

(۳) اکثر احادیث کے ماخذ کا نام بھی حدیث کے ساتھ رقم کر دیا ہے۔

(۴) بعض عاؤں کے تراجم پہلی اشاعت میں رہ گئے تھے ہم نے ان کا ترجمہ بھی شامل

کر دیا ہے۔

تفصیح میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ پھر بھی اغلاط رہ

جاتی ہیں۔ صاحب علم حضرات جو غلطی دیکھیں مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درستی ہو سکے۔

○ مناسب معلوم ہوتا ہے جس کتاب کی اہمیت سطور بالا میں پڑ چکے ہیں اس

کے عظیم مصنف اور مترجم کا بھی مختصر تعارف آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔

تاکہ مصنف علیہ الرحمۃ کی جامع شخصیت کو دیکھ کر کتاب کی جامعیت کا اندازہ ہو سکے۔

اے رب العالمین اس کتاب کے مصنف، مترجم اور ناشر و معاونین سب کی

سچی کو مشکور فرما۔ (آمین)

محمد اشرف مجددی

حضرت خواجہ پیر محمد حسن جان مجددی سمرندی رحمۃ اللہ علیہ

(مصنف کتاب هذا)

ولادت | آپ کی ولادت ۶ شوال المکرم ۸ ۱۲۷۷ھ میں قندھار (افغانستان) میں ہوئی۔ والد گرامی کا اسم مبارک حضرت خواجہ عبدالرحمن بن خواجہ عبدالقیوم بن شاہ فضل اللہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز تک پہنچتا ہے۔ ۱۲۹۷ھ میں حضرت خواجہ عبدالرحمن افغانستان سے ہجرت فرما کر صوبہ سندھ میں آباد ہو گئے۔

تحصیل علم | آپ نے علوم عقلیہ و نقلیہ والد ماجد سے حاصل کیے، مشاہیر علماء عصر سے بھی استفادہ کیا۔ جب آپ کے والد ماجد حج کے لیے گئے تو آپ بھی ساتھ گئے۔ وہاں جا کر حاجی محمد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ صولتیہ میں داخل ہوئے۔ اسی دوران آپ نے شیخ احمد دحلان اور شیخ الحدیث محمد الونصر دمشقی سے اسناد حدیث حاصل کیں۔ اور اپنے والد ماجد کے دست اقدس پر بیعت کی، پھر اپنے وطن واپس آ کر مذہب ملت کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ یہ

علم و عرفان | جوہر کی قدر جوہری جانتا ہے بے علم آدمی کسی عالم کے علمی مقام کا کیا اندازہ کر سکتا ہے اور معرفت سے عاری انسان خدا رسید بزرگ کے عرفان کو کیا جان سکتا ہے اسی لیے مشہور مقولہ ہے کہ ”دلی را دلی می شناسد“۔

مصنف علیہ الرحمۃ کا مقام علماء اور اہل معرفت لوگوں میں کیا تھا، اس کا کچھ اندازہ کرنے کے لیے ہم اس وقت کے جدید علماء اور مشائخ کے چند اقوال نقل کرتے ہیں جو انہوں نے طریق النجاة کی تقریبات میں بطور القابات درج فرماتے ہیں۔
۱۔ رئیس العلماء مولانا عبدالباقی رحمۃ اللہ علیہ ہمایوں قاضی سندھ و بلوچستان فرماتے ہیں:

”مَنْ فَاقَ فِي الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ، وَاقْوَلَ الْعُلَمَاءُ بِالْبَرَاةِ ۛ“

الذِّكَاءُ وَاجْتَمَعَ الْفَصَّاحُ عَلَى كَمَالِهِ، وَاتَّفَقَ الْفَضْلَاءُ عَلَى حَسَنِ
خِصَالِهِ، وَهُوَ الْحَبْرُ الْخَرِيرُ، وَالغَيْثُ الْمَطِيرُ، وَالْبَحْرُ الْغَزِيرُ
وَالسَّمِيدُ الْكَبِيرُ الْمَاهِرُ فِي الْعُلُومِ الشَّرْعِيَّةِ، وَالْوَاقِفُ
فِي الْفُنُونِ الْأَدَبِيَّةِ، الْعَارِفُ بِاللَّهِ الْعَلِيمِ، وَالْعَالِمُ بِقَوَاعِدِ
الدِّينِ الْقَوْلِيِّ سَيِّدِنَا سَنَدُنَا حَضْرَةُ الْخَوَاجَةِ مُحَمَّدِ بْنِ
الْمُجَدِّدِيِّ مَد ظَلَمَ الْعَالِي.

۲۔ راس الفضلاء علامہ العصر حضرت مولانا محمد حسن رحمہ اللہ علیہ سجادہ نشین رگہ کشاں شریف
منقہ بلوچستان فرماتے ہیں:

شَيْخُ الْإِسْلَامِ وَالْإِمَامُ الْأَمَامُ حَضْرَةُ الْخَوَاجَةِ مُحَمَّدِ بْنِ الْفَارِدِيِّ
السَّرْهَنْدِيِّ مَا بَرِحَتْ أَقْصَارُ قُضَلِهِ سَاطِعَةً.

۳۔ سراج العلماء الفقیہ المشہور حضرت مولانا محمد قاسم مرحوم (گرگھی لیسین
ضلع سکھرنہ) فرماتے ہیں:

الْعَالِمُ الرَّبَّانِيُّ وَالْعَارِفُ الْحَقَائِقَ الْبَحْرُ الزَّخَّارُ وَالغَيْمُ الْمُدَارُ
شَيْخُ السُّنَّةِ وَمُهَيْتُ الْبِدْعَةِ اجْتَمَعَ الْفَصَّاحُ عَلَى
فَصَاحِيَّتِهِ إِجْمَاعًا وَأَتَّبَعَ الْفَضْلَاءُ بِسُنَّتِهِ إِبْتِغَاءَ سَيِّدِنَا
وَسَنَدُنَا حَضْرَةَ الْخَوَاجَةِ مُحَمَّدِ بْنِ الْفَارِدِيِّ الْمَجْدِيِّ
لَا زَالَتْ شُمُوسُ يَوْمِيهِ بَارِزَةً.

۴۔ حضرت مولانا علامہ محمد ابراہیم الیاسینی ناظم جمعیتہ احناف صوبہ سندھ لکھتے ہیں:

«إِمَامُ الْهَامِ وَالْبَحْرُ الْقِيَامُ وَالْقِفُ الْأَسْرَارِ الْحَكِيمَةِ جَاهِ
الْأَنْوَارِ الْقُدْسِيَّةِ حَافِظُ مَلِكِ الْكَلَامِ حَاجٌّ بِبَيْتِ اللَّهِ الْخَرَّابِ
حَكِيمٌ أَمَةٌ سَيِّدُ الْمُرْسَلِينَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِينَ سَيِّدِي
وَسَنَدِي مَلَاذِي وَمُعْتَمَدِي حَضْرَتُنَا مُحَمَّدِ بْنِ الْفَارِدِيِّ الْمَجْدِيِّ
صَاحِبُ سَجَادَةِ الْمُجَدِّدِ الْفِي الثَّانِي لِأَنَّ الشَّمْسَ فِي يَوْمِيهِ بَارِزَةً.»

۵۔ فاضل کمال حضرت مولانا عبدالغنی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اہم و خطیب جامع مسجد
جیکب آباد تحریر فرماتے ہیں :

”هُوَ وَارِثُ الْأَنْبِيَاءِ بِمُصَدَّقِ صَحْبِهِ وَأَصْحَى الْعُلَمَاءِ بِفَضْلِ صِرْحِهِ
سِرَاجُ أُمَّةٍ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ شَيْخُ الْأِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِينَ حَضْرَتُ
الْخَوَاجَةِ مُحَمَّدِ حَسَنِ بْنِ الْفَارُوقِ الْمَجْدِيِّ مَدَدَ اللَّهُ مَدَدَهُ“

۶۔ زبدۃ الفضلاء حضرت مولانا عبدالحی مرحوم سجادہ نشین درگاہ پٹ میا صاحب
رقم فرماتے ہیں :

”أَكْمَلُ الْكُلَّاءِ أَفْضَلُ الْفَضْلَاءِ الْبَارِعُ الَّذِي إِلَيْهِ كُلُّ
شَيْخٍ وَشَابِئَةٍ أَتَّكَمِلُ الَّذِي أَبِ إِلَيْهِ جَمِيعُ أَوْلِي الْأَلْبَابِ هَادِي
النَّاسِ إِلَى رِبِّ الْأَنْبِيَاءِ مَوْلَانَا وَمُقْتَدَانَا حَضْرَتُ الْخَوَاجَةِ
مُحَمَّدِ حَسَنِ بْنِ الْفَارُوقِ السَّرْهَنْدِيِّ الْمَجْدِيِّ زَيْنِ سَجَادَةِ
الْإِمَامِ الرَّبَّانِيِّ بِفَتْوَى أَخْلَافِهِ مُحَمَّدِ بْنِ الْأَلْفِ الثَّانِي“

۷۔ وحید العصر فصیح اللسان حضرت مولانا صاحب داد مرحوم سلطان کوٹی فرماتے ہیں :

”الْعَلَامُ هَادِي الْأَنْبِيَاءِ إِلَى سَبِيلِ السَّلَامِ قُدْوَةُ الْأَوْلِيَاءِ الْعَارِفِينَ
إِمَامُ الْعُلَمَاءِ الْمُتَّقِينَ حَامِلُ الرَّأْيَةِ فِي مَعَادِنِ التَّحْقِيقِ حَابِرُ رُؤْيَا
السُّبْقِ فِي التَّدْقِيقِ شَيْخُ الْأِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِينَ وَارِثُ مَقَامَاتِ
الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ حَضْرَتُنَا الْخَوَاجَةُ مُحَمَّدُ حَسَنُ الْفَارُوقِ“

۸۔ جامع معقول و منقول و اعظما السلام مولانا محمد سلیمان مرحوم لکھتے ہیں :

”الْإِمَامُ شَيْخُ الْأِسْلَامِ غَوْثُ الْأَنْبِيَاءِ قُدْوَةُ عُلَمَاءِ الْأَعْلَامِ مُجْمَعِ
الْفَضْلِ وَالْكَمَالِ، مَرْجِعُ أَهْلِ الْمَعَارِفِ وَالْأَحْوَالِ، دُرٌّ وَالْكَرَامَاتِ
الظَّاهِرَةِ وَالْمَقَامَاتِ الْفَاخِرَةِ، مَنبَعُ الْأَنْوَارِ الْبَاهِرَةِ وَالسَّرَائِرِ
الزَّاهِرَةِ عَلَيْهِمُ الْأَمَّةُ مُحَمَّدِي السُّنَّةِ مَوْلَانَا وَمُقْتَدَانَا حَضْرَتُ
الْخَوَاجَةِ الْمَجْدِيِّ“

۹۔ فاضل اجل مولانا عبدالقیوم رحمۃ اللہ علیہ مدرس العربیہ سندھ سائیں ڈاؤ فرماتے ہیں:

« هَذَا جَامِعٌ بَيْنَ الشَّرِيعَةِ وَ الْحَقِيقَةِ قِيَوْمَ الزَّمَانِ مُرْجَعُ الْإِنْسِ
 وَ الْحَيَاتِ بِحَدِّ الْعُلُومِ الْعَقْلِيَّةِ مَعْدِنُ الْفِيوضِ الرَّبَّانِيَّةِ بُرْهَانُ
 الْمِلَّةِ وَ الدِّينِ قَاطِعُ أَعْنَاقِ الْمُجْرِمِينَ سَيِّدُ نَادٍ مُرْشِدُنَا
 أَدَامَ اللَّهُ تَعَالَى فَيُوضِعُهُمْ دُونَ كَاتِمِهِمْ - »

۱۰۔ عارف کامل علامہ نعل محمد محرم ازغمانی مدرس العربیہ کوٹہ تحریر فرماتے ہیں:

« مَوْلَانَا وَ بِالْفَضْلِ أَوْلُنَا جَامِعٌ أَشْتَاتِ الشَّرِيعَةِ وَ الْحَقِيقَةِ
 مَا لِحِ بَدَعَاتِ الْقَدِيمَةِ وَ الْعَدِيمَةِ، التَّحْمِ الْفَالِقِ فِي الْمَدْوَحَةِ
 الْعَلِيَّةِ الْمَقْشَبِنْدِيَّةِ وَ الْعَلْمِ الْمَاسِقِ فِي حَدِيقَةِ الْفَارُوقِيَّةِ الْمَجْدِيَّةِ
 مَوْلَانَا الْحَاجِ حَضْرَةَ مُحَمَّدِ حَسَنِ حَفِظَ اللَّهُ ... »

۱۱۔ مولانا الفاضل جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا علامہ محمد نور بخش رحمۃ اللہ علیہ
 حنفی نقشبندی توکلی (صاحب تصانیف کثیرہ) فرماتے ہیں:

« الْعَالِمُ الرَّبَّانِيُّ الْحَوَاجَةُ مُحَمَّدُ حَسَنِ الْفَارُوقِيِّ الْمَجْدِيِّ زَيْنُ سُبْحَانِهِ
 الْإِمَامُ الرَّبَّانِيُّ مُحَمَّدُ دُ الْاَلْفِ الثَّانِي رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ ... الْمَقْشَبِ
 الْعَلَامِ - »

ہر ذی شعور آدمی جان سکتا ہے کہ جس شخصیت کے بارے میں ہم عصر علماء و مشائخ
 ایسے الفاظ استعمال فرمائیں اور عمدہ القابات سے یاد کریں وہ کیسا جامع کمالات
 اور مرد کامل ہوگا۔ آپ کے تفصیلی حالات و مقامات اور دینی و ملی خدمات کے بیان
 کی ان صفحات میں گنجائش نہیں۔ صرف صاحب "اکابر بحریک پاکستان" کے مختصر
 اقتباس پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ بحریک آزادی میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۹۶۶ء
 میں جب افغانستان کے عوام نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا تو آپ کے والد ماجد نے
 انگریزوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ آپ کی عمر اس وقت صرف اٹھارہ برس تھی۔ اس

لے مفصل حالات کے لیے "مونس المخلصین" از خواجہ عبداللہ جان المعروف شاہ آغا ملاحظہ فرمائیں

کم سستی کے باوجود آپ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ جنگ طرابلس میں مجاہدین کی بھرپور مالی مدد کی۔ تحریکِ خلافت میں سرگرمی سے حصہ لیا، مگر ہندوؤں سے اتحاد کی سختی سے مخالفت کی۔ تحریکِ ہجرت کے مسئلہ پر آپ نے عوام کو اس کے نقصانات سے آگاہ کیا۔ تحریکِ پاکستان شروع ہوئی تو صوبہ سندھ میں آپ نے مسلم لیگ کی ڈٹ کر حمایت کی اور اپنے متوسلین کو بھی مسلم لیگ کی حمایت کا حکم دیا۔ لہ

آپ کی تبحر علمی کا اندازہ ان تصانیف سے ہوتا ہے جو آپ نے تصانیف یادگار چھوڑی ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہے:

- ۱۔ شفاء الامراض (۱۳۱۴ھ) - ۲۔ انیس المریدین (۱۳۱۶ھ) - ۳۔ پنج گنج (۱۳۲۰ھ)
- ۴۔ سفر نامہ عربستان (۱۳۲۳ھ) - ۵۔ تذکرۃ الصالحین فی بیان الاتقیاد (۱۳۲۶ھ) - ۶۔ انساب الانجاب (۱۳۲۶ھ) - ۷۔ شرح حکم شیخ عظام اللہ سکندری (۱۳۲۴ھ) - ۸۔ الاصول الاربعہ فی تردید الالبابہ (۱۳۲۶ھ) - ۹۔ طریق النجات مع رسالہ التعمیر فی اثبات التقدير (۱۳۲۹ھ) - ۱۰۔ رسالہ در قواعد تجوید (۱۳۲۹ھ) - ۱۱۔ العقائد الصحیحہ فی بیان مذہب اہل السنۃ والجماعۃ (۱۳۶۰ھ) - ۱۲۔ الاشارة الی البشارہ - ۱۳۔ رسالہ فی باب صحت الحجۃ فی القرۃ - ۱۴۔ لغات القرآن وغیرہ وغیرہ لے

آپ کی وفات حسرت آیات ۱۳۶۵ھ سنڈہ سائیں داد (سندھ) وصال میں ہوئی۔ مزار مقدس مرجعِ خواص و عوام ہے۔



حضرت مولانا حافظ پیر محمد ہاشم جان سرہندی

مترجم "طریق النجات"

ولادت | آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۲۳ھ میں ٹنڈہ سائیں اور تحصیل ٹنڈہ محمد خاں ضلع حیدرآباد (سندھ) میں ہوئی۔ آپ مصنف "طریق النجات" حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندی مجددی فاروقی قدس سرہ کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ سلسلہ نسب تیرھویں پشت میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی سے ملتا ہے۔

تعلیم آپ نے گیارہ برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ بعد ازاں ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں داخلہ لیا۔ مشہور فلسفی اور عالم حضرت مولانا علامہ معین الدین اجمیری اور دیگر اساتذہ سے پڑھا اور سند تکمیل حاصل کی، اجمیر شریف میں حکیم نظام الدین (برادر مولانا معین الدین) سے فن طب حاصل کیا۔ اور سندھ واپس آ کر تدریس و ارشاد اور طبابت میں مصروف ہو گئے۔

خلافت | آپ نے اپنے والد گرامی حضرت خواجہ محمد حسن سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تھی اور انہیں سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں اجازت و خلافت حاصل کی۔ حضرت مولانا پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ ان حضرات میں سے ہیں جنہوں نے بارہا مولانا موصوف کی زیارت کی اور ان کی تقاریر سنی ہیں۔ تذکرہ مظہر مسعود میں تحریر فرماتے ہیں:

”مولانا خوبصورت و خوب سیرت ہیں۔ آپ کو دیکھ کر بے ساختہ قرآن پاک کی آیت یاد آتی ہے: **فَبَارِكْ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ** ۱۰ **كَقَدِّ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ** ۱۱ **فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ** کی تفسیر مشاہدہ کرنی ہو تو آپ کی زیارت کی جائے۔

اس میں شک نہیں کہ مولانا نے ممدوح متبحر عالم، باکمال اور ماہر طبیب ہیں، ان کی تقاریر سے متبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ سندھ کا باشندہ ہوتے ہوئے اردو اتنی صاف رواں بولتے ہیں کہ اہل زبان کا گمان ہوتا ہے، موسم گرمیوں کو سڑک تشریف لاتے ہیں اور تین چار ماہ قیام فرماتے ہیں آپ کے دولت کدے پر کتب خانہ میں بکثرت قلمی نواذرات ہیں جو قابل دید ہیں۔

آپ نے ہمیشہ تبلیغ و وعظ اور اشاعتِ دین کا فریضہ کسی دنیوی طمع و لالچ کے بغیر سرانجام دیا۔ اس سلسلہ میں کسی دنیاوی طمع و خواہش کو آپ انتہائی برا سمجھتے تھے۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے آپ کا عشق کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ دورانِ وعظ جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آپ کی زبان سے ادا ہوتا تو آپ کا چہرہ سرخ ہو جاتا اور ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ آپ کی تقریر و تبلیغ کا موضوع سیرت و محبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ بعض اوقات لوگ آپ کو کسی دوسرے موضوع پر بولنے کا عرض کرتے تو آپ فرماتے

ما قصہ سکندر و دارانہ خواندہ ایم ازما بجز حکایت مہر و وفا پیرس میں تو محبوب کریم فدائے دینی کی شان و صفت ہی بیان کروں گا۔ ہاں اس کے بعد سیاسی و ملی مسائل پر بھی ضمناً گفتگو ہو جائے گی لہ

آبائی مریدوں کے علاوہ آپ کے اپنے حلقہ مریدین و متقین کی تعداد بھی نہراوں تک پہنچی ہوئی تھی چنانچہ پاکستانی افواج میں آپ کے مریدوں کی بہت بڑی تعداد ہے کیونکہ آپ فوج میں تبلیغ دین بہت ضروری سمجھتے تھے۔ نہراوں افراد آپ کی ہدایت و تلقین سے تشریح مسلمان بن گئے۔

آپ نے تحریکِ خلافت میں اپنے استاد حضرت مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھرپور حصہ لیا۔ برصغیر کے طول و عرض میں جلسوں سے خطاب کیا۔ میٹنگوں میں شرکت کی ہوا

سندھ میں تحریکِ خلافت کو پروان چڑھایا۔

تحریکِ پاکستان کا غلغلہ بلند ہوا تو آپ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور اپنی تمام تر قوتوں کو مسلم لیگ کے لیے وقف کر دیا۔ پاکستان بننے کے بعد اسلامی دستور کی جدوجہد میں سرگرم رہے، اور ۱۹۵۲ء میں علماء کرام کے اجلاس میں نمایاں حصہ لیا، جس نے حکومت کے چیلنج پر اسلامی دستور کے ۲۲ نکات منظور کیے۔

آپ جمعیتِ الاطباء کے کئی سال تک صدر رہے۔ جمعیتِ علماء حیدرآباد کی صدر کو شرفِ بخشا۔ پاکستان میں سوشلزم کا فتنہ نمودار ہوا تو آپ نے ہر طرح سے اس کی سرکوبی کی۔ سندھ میں جب چند ملک دشمن عناصر نے اپنے سیاسی مقاصد کی خاطر نئے اور پرانے سندھیوں میں کچھ غلط فہمیاں پیدا کر کے نوبتِ فساد تک پہنچا دی تو آپ نے رات دن ایک کر کے پورے سندھ کے دورے کیے، ذنود روانہ کیے، خطوط لکھے، بیانات دیئے، کتابچے شائع کیے۔ اور اتحادِ بین المسلمین کے لیے انتھک جدوجہد کی جو نہایت کامیاب رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ نئے اور پرانے سندھیوں کو قریب لانے کے سلسلہ میں آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

آپ عمر کے آخری چھ سات سال جمعیتِ مجددیہ سندھ کے صدر رہے اور حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کو اپنے آبائی طریقہ پر مستقیم رہنے کی تلقین فرماتے رہے۔ عمر کے آخری دو تین سال آپ سندھ ویش کی مذموم تحریک کے خلاف سینہ سپر رہے اور صوبہ سندھ کے اسلام پسند اور دیندار حلقے کی تنظیم اور بیداری کے لیے بھی آپ نے تمام تر توانیاں وقف کر دی تھیں، اس سلسلہ میں اپنے ذاتی روپے سے متعدد کتابیں اور رسالے لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر شائع کیے۔

مل اور ملکِ خدمات میں دن رات مصروف رہنے کی وجہ سے آپ

تحریری کام | تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہ دے سکے حالانکہ آپ بہترین مضمون نگار تھے۔ عمدۃ المقامات (مطبوعہ لاہور) کا مقدمہ جو آپ نے فارسی زبان میں تحریر فرمایا، وہ فنِ تحریر میں آپ کے کمال کا زندہ نمونہ ہے۔ آپ نے اپنے والد ماجد کی دو عربی کتابوں "العقائد المصححة" اور "طریق النجاة" کا اردو ترجمہ

کیا۔ خواجہ محمد معصوم سرمندی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اذکار معصومیہ" کا سندھی میں ترجمہ کیا۔ زیادہ تر پمفلٹوں اور مکتوبات کی صورت میں اپنے خیالات کا اظہار فرماتے رہے جن کو اگر جمع کیا جائے تو ایک بہت بڑا علمی ذخیرہ بن سکتا ہے۔

آپ بے حد حسین و جمیل تھے۔ چہرہ پر نور اور
صفات حمیدہ کا پیکر | متبسم، حافظہ بے مثال، قد مناسب، ڈاڑھی سفید،

سوزنٹ گلاب کی پتیوں کی طرح گلابی اور نازک، دانت موتی کی لڑٹیاں، ہونٹوں پر
 دائمی مسکراہٹ، پان کھائے ہوئے غنچہ سون سے جب گفتگو فرماتے تو فضا خوشبو
 سے مہک جاتی، باریک ہلکے نفیس جامد سے جسم کا گلابی رنگ جھلملتا، کسی کا دل
 نہ دکھاتے، سب کی باتیں شریعت کے گھونٹ سمجھ کر پئے جاتے تھے، وضع داری،
 صاف گوئی، غرض بہت سی ذاتی اور خانہ دانی خداداد صفات سے بہرہ ور تھے،
 منقولات و معقولات سے یکساں مناسبت، پاک باطن، روشن جبین، کردار میں تقویٰ
 اور طہارت، کلام میں خلوص کی شیرینی لکھنؤ اور دہلی کے محاورات اس کثرت اور روانی
 سے استعمال فرماتے کہ مخاطب آپ کی وطنیت سندھ کی نسبت کے بلے میں شک
 میں پڑ جاتے، فارسی، عربی اور اردو کے ہزاروں اشعار آپ کی نوک زبان تھے۔

آپ کے عقیدت مندوں کا حلقہ بہت وسیع ہے، آپ کی روزانہ اور منہجہ دار
 مجالس و وعظ میں بے شمار لوگ شریک ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتے تھے۔ آپ
 کا متبسم اور نورانی چہرہ دیکھ کر خدایا آجاتا تھا۔ آخری چند سالوں میں ٹنڈہ سائیں ناد

سے مار تھے ناظم آباد کراچی منتقل ہو گئے تھے اور سر اتوار کو مجلس ذکر منعقد کراتے۔ کراچی
 کے اہل ذوق حضرات کے لیے آپ کا دولت خانہ ایک روحانی مرکز کی حیثیت کا حال تھا
 آپ کی وفات حسرت آیات ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ مطابق

وفات | ستمبر ۱۹۷۵ء بمقام شاہو کلی نزد کونستہ میں ہوئی اور حیدرآباد
 ٹنڈہ سائیں ناد لاکر سپرد خاک کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ

عرضِ مستحرم

ناظرین محترم! مسلمانوں پر ادبار اور پستی کا جو ہلاکت آفرین دور آج کل گزر رہا ہے اس کی تباہی و بربادی کا حوصلہ شکن احساس کچھ اہل نظر حضرات ہی بہتر کر سکتے ہیں۔ بلحاظ تعداد افراد چاہے مسلمانوں کی کچھ ترقی ہو رہی ہو۔ لیکن اس واضح حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بحیثیت قوم و ملت مسلمان منزل کے تاریک گڑھے میں گرے جائے ہیں۔ معاش اور معاد کے جتنے صیغے اور سلسلے ہیں سب میں وہ آج کمال سے حقیقت زوال کی طرف اپنی ہی بدکرداری اور بددماغی کی وجہ سے حرکت کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ ایک صاحب بصیرت منزل کی اس زہریلی ہوا کو پھیلتے ہوئے دیکھ کر پیشگوئی کر سکتا ہے کہ اگر حفاظت الہی کا تریاق نہ ہوتا تو یقیناً مسلمان آج سے بہت پہلے عرصہ حیات کو طے کیے ہوئے دیکھے جاتے۔

ادبار و فحاکت کے اس مرض مزمن کی اذیتوں سے اگرچہ اب وہ خوگر ہو گئے ہیں اور ایک عرصہ سے شدائد و مصائب کے پے در پے درودنے ان کے اعضاء کو بیخس سا بنا دیا ہے۔ لیکن خنجر قدرت نے اس دور میں ان کے دیرینہ زخموں پر کچھ ایسے پیہم چر کے لگائے ہیں کہ ان میں دوبارہ تازہ خون پھیر آیا ہے اور رگوں میں احساس کی ایک لہر دوڑ گئی ہے۔ خدا خدا کر کے اب انہیں اتنا معلوم ہو گیا ہے کہ ہم سبھی کوئی وجود رکھتے ہیں اور ہمیں بھی دنیا میں رہنا ہے۔

مقامِ مسرت ہے کہ پھر ایک مرتبہ مداوہ و معالجہ کا خیال ان کے دماغ پر مستولی

ہو گیا ہے اور طویل علالت کی کمزوریوں نے انہیں اپنی زائل شدہ طاقت حاصل کرنے کے لیے ادھر ادھر ہاتھ پیر مارنے پر مجبور کر دیا ہے۔ چنانچہ سہارہ مصلحین نے اپنے اپنے نظریہ کے ماتحت مختلف تشخیصیں کیں اور مختلف نسخے تجویز فرمائے۔ علمی ہستی کو دیکھ کر بعض علم دوست حضرات نے کالج کھولنے - اقتصادی تنزل کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض اہل دولت جواز سود کے فتوے دینے لگے۔ اسی طرح جس شعبے سے جس کو زیادہ دلچسپی تھی اس نے وہی کوتاہی محسوس کر کے اسی کی ترقی میں کوشش کی۔

لیکن افسوس کہ مریض جان بلب کی حالت دن بدن ابتر و نازک ہوتی گئی اور ”مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی“ کا مصرعہ واقعہ ثابت ہوتا گیا۔

وجہ کیا ہے کہ طرق علاج میں غلطی کی گئی۔ اور اصل مرض کی اہمیت کو نظر انداز کر کے ازالہ عوارض ہی کو کافی سمجھا گیا اور اس پر گزیدہ حکیم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف اور نظری تعلیمات کو بھول کر اپنی ہی ناقص عقل کے گورکھ دھندوں میں مرض کو الجھا کر مرض کی کیفیت و نوعیت کو اور بھی پیچیدہ بنا دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے دنیا کو روتے تھے اب اس کے ساتھ دین بھی کھو بیٹھے۔

اسی بنا پر تجربہ کار ناباضوں نے جن کی معاملہ فہم نظر مرض کی تہہ تک پہنچ گئی ہے۔ معاملہ کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے تہتہ کر لیا اور فیصلہ فرما دیا کہ اس حالت میں کیوں پھر اس اکسیری نسخے کو نہ آزمایا جائے۔ جس نے صاحب فراش مرضی عرب کو ایک آن میں اس قدر طاقتور جو امر دنیا دیا تھا کہ سارے عالم کے رستموں کو اس نے گرد کر دیا۔ وہ نسخہ کوئی مصدری اور پوشیدہ نسخہ نہیں۔ وہ نسخہ وہی ہے جس کو طیب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صفحہ دہر پر دنیا کے سب سے زیادہ مقبول نسخے (قرآن) کی صورت میں چھوڑا ہے۔ اس نسخے کے اسرار سمجھانے والے بھی دنیا میں اپنے اپنے مذاق اور استعداد کے موافق مختلف پیدا ہوئے۔ یعنی بعض نے اس کو فلسفیانہ رنگ میں پیش کیا۔ اور بعض نے اس کو مادیات کی ایک کتاب جانا۔ اور بعض نے اس کو محض روحانیت ہی کا معلم سمجھا۔ لیکن افسوس کہ یہ تیر بہدف نسخہ ان سب صورتوں میں

نہ کچھ ایسا زیادہ مؤثر اور نہ ایسا کایا کلیپ ثابت ہوا۔ جیسا کہ پہلے پہل اس کے بنانے والے کالی کلیا والے حکیم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ پر اکسیر بنا تھا۔ بات کیا تھی کہ وہ اپنے اصلی اوزان اور ترکیب کے ساتھ نہیں بنایا جاتا تھا۔ بلکہ پھر اپنی تاجر کاہلی سے اور اپنی کوتاہ عقل کے بل بوتے پر یا تو بعض اجزا کو بالکل بدل دیا جاتا تھا۔ یا ان میں تغیر و تبدل کر کے نسخہ کی اصلیت کو بگاڑ دیا جاتا تھا۔

اب جبکہ مرضی قوم کی حالت قریب الموت تھی تو حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے عہد کو پورا کرنے کے لیے اسی نسخہ معیات بخش و جانفز کی ترکیب و ترتیب کے لیے اپنے بندوں میں سے (حضرت) مصنف کتاب "طریق النجات" کا شرح صد فرمایا۔ جنہوں نے اس کے اسرار و رموز کو نہایت سہل طریقہ پر اسی زبان میں کھول دیا اور مسلمانوں کے سامنے وہ نسخہ اصل صورت میں لا کر ایسا روشن لائحہ عمل پیش کیا ہے جس کو دستور العمل بنانے کے بعد معاشن اور معاد کے سب شعبے ایسے ہی مکمل اور اعلیٰ ہو سکتے ہیں۔ جیسے کہ اس کو پہلی بار آزمانے کے زمانے (خیر القرون) میں شاندار اور بلند پایہ ہوئے تھے :

مجھ جیسے بے مایہ کو انہیں کا ارشاد ہوا کہ اس کا ترجمہ سلیس اردو میں ہو جائے۔ چنانچہ میں نے ارشاد کی تکمیل کو سعادت دارین سمجھ کر اپنی بساط کے موافق اس کام کو ختم کیا ہے اور جو کچھ مجھ سے بن پڑا ہے ناظرین کے سامنے ہے۔ اس سہل و ممتنع کام کی اچھنوں اور دشواریوں کا کچھ وہی حضرات بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں جن کو کبھی عربی سے اردو ترجمہ کرنے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ عربی کی طرز تحریر۔ جملوں کی ترکیب و محاورہ کی نوعیت۔ غرضیکہ ہر ایک چیز اردو سے بالکل مختلف اور جداگانہ واقع ہوئی ہے۔ اب اگر تحت اللفظ ترجمہ کیا جائے تو شاید گلابی اردو کی طرح ایک عجیب مضحکہ خیز صورت اختیار کرے۔ اور اگر متن سے قطع نظر کی جائے تو ترجمے کی شان باقی نہیں رہتی، اور بہت ممکن ہے کہ اصل و ترجمے کے مابین مغائرت کی ایک عمیق خلیج حاصل ہو جائے۔ چنانچہ انہی مجبوریوں سے میں نے جہاں تک ہو سکا ہے، اپنی کوشش اس میں صرف کی ہے کہ

ترجمہ متن کے قریب قریب ہونے کے باوجود با محاورہ بھی ہو اور اصل مطلب بھی فوت نہ ہونے پائے۔ اسی لیے بعض جگہ کچھ جملے بڑھا دیئے گئے ہیں اور کہیں بین القوسین (برکیٹ) سے کام لیا گیا ہے۔ لیکن قرآن مجید کی آیتوں اور حدیثوں کے ترجمے دستور عام کے مطابق اکثر تحت اللفظ ہی لکھ دیئے گئے ہیں۔

کمال احتیاط و محنت کے باوجود پھر بھی ممکن ہے کہ کہیں غلطیاں یا خامیاں رہ گئی ہوں۔ خطا کارندہ سے خطائیں ہی سرزد ہوتی ہیں۔

امتیہ ہے کہ معزز ناظرین صفتِ خطا پوشی سے متصف ہو کر مجھے دعائے خیر سے یاد فرمائیں گے۔ کیا عجب کہ ذرہ نواز سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اس ناچیز خدمت کے صلہ میں اس اکیس کے ایک ذرے سے میرے مس قلب کو کنڈن بنا دے۔

نظرتِ کیمیا است گر نگری

کہ مس قلب من چو زر گرود

بِحُسْنِ بَصَائِعِ مُزَجَّاجَةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ
اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَصَدِّقِينَ۔

فقط و التایم
حافظ محمد ہاشم مجددی

ٹنڈہ سائیں داد ضلع حیدرآباد سندھ

۲۵۔ جون ۱۹۳۱ء

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رب انی لما انزلت الی من خیر فقیرا سئلتک العصمة والسداد
واعوذ بک من الزیغ والاحاد سبحانک کاعلمنا الا ما علمتنا
انک انت العلیم الحکیم۔

صلی وسلم وبارک علی سیدنا محمد المصطفیٰ صاحب
قاب قوسین اودانی کما یلیق بعظیم شانہ ویکون احری و
علیٰ والد واصحابہ البررة التقیٰ وعلیٰ من تبعہم باکھان
والرضیٰ۔

” اے پروردگار! تیری اس خیر کا جو تم نے مجھ پر نازل فرمائی ہے میں محتاج
ہوں۔ تیری بارگاہ سے عصمت وراہِ راست طلب کرتا ہوں۔ اور گمراہی و گمراہی
سے پناہ مانگتا ہوں۔ تیری ہی مقدس ذات کو پاکیزگی سزاوار ہے۔ ہم کچھ نہیں
جانتے۔ مگر وہ جو تو نے ہمیں سکھلادیا ہے۔ بیشک تو دانا اور صاحبِ حکمت ہے۔
ہم سے آقا و مولا محمد مصطفیٰ صاحبِ قابِ قوسینِ اودانی پر وہ رحمتیں،
سلام اور برکتیں بھیج جو آپ کی شانِ عظیم کے لائق و مناسب ہوں۔ نیز آپ
کے نیک پرہیزگار آل و اصحاب کو اور خوبی و رضامندی سے ان کے تابع ہونے
والوں کو بھی ایسا ہی موردِ الطاف فرما۔“

اما بعد جاننا چاہیے، توفیق دے تمہیں خداوند تعالیٰ ان کاموں کی جن کو وہ دوست
اور پسند رکھتا ہے اور بچائے رکھے تمہیں ان چیزوں سے جو گمراہی اور سرکشی کی باعث

ہوں کہ نجاتِ اخروی کا مدار ایسے سچے اعتقاد پر ہے جو کہ امورِ آخرت کے متعلق اپنی سمجھ کی نارسائی اور عقل کی مخالفت و انکار کے باوجود بھی اللہ و رسول کے وعدہ پر ثابت پختہ رہے جیسے فنا کے بعد مردوں کا زندہ کرنا۔

(۲) کافر و فاجر کے لیے عذابِ قبر کا ہونا۔ باوصف اس کے کہ میت کا جسم سالم رہتا ہے اور بظاہر عذاب کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔

(۳) حشر و نشر کا ہونا۔

(۴) نیک و بد اعمال کا توڑنا۔ حالانکہ اعمالِ اعراض ہیں جو ٹلنے کے قابل نہیں۔

(۵) صراط کو تسلیم کرنا (اس سے مراد وہ پل ہے جو قیامت کے دن دوزخ پر رکھا جائے گا اور اس سے برے اور بھلے سب گزریں گے) حالانکہ وہ پل بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے تیز ہوگا بعض لوگ اس سے اس قدر جلد گزر جائیں گے جیسے بجلی کو نڈ جاتی ہے اور بعض تیز ہوا کی طرح گزر جائیں گے۔ بعض کی رفتار سوار کے برابر ہوگی بعض ایسا چلیں گے جیسے پایادہ آدمی چلتا ہے۔ اور بعض پیٹ کے بل کھسکتے ہوئے (جیسا کہ بچہ چلتا ہے) جائیں گے۔ اس کے بعد یا تو جنت کی نعمتیں اور راحتیں سامنے ہوں گی یا دوزخ کے عذابِ خواری سے پالا پڑے گا۔

ان سب امورِ اخرویہ کا وہ لوگ جن کے دل میں اپنی عقل ناقص کی پیروی کا مرض موجود ہے انکار کر بیٹھتے ہیں۔

اور ایمان کامل کے یہ معنی ہیں کہ جو کچھ کلامِ مجید میں آچکا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو امورِ احادیث صحیحہ میں ثابت ہو چکے ان پر پختہ یقین ہو۔ اگرچہ ہماری سمجھ میں وہ باتیں نہ سما سکتی ہوں اور فی الحقیقت ہماری عقل امورِ غیب اور ان امور کو جو عادتِ مستمرہ کے خلاف واقع ہوتے ہوں پا بھی نہیں سکتی۔ ہم لوگوں کے نقصانِ عقل اور کوتاہی پر یہی دلیل کافی ہے کہ آٹے دن یورپ کے فلاسفوں کی نت نئی عجیب و غریب ایجادیں دیکھ کر ہماری عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ جیسے بھاری بوجھل چیزوں کو ہوا میں اڑانا (اشارہ ہے ہوائی جہاز کی طرف) دنوں میں مہینوں کی مسافت طے کر جانا۔

آواز کو فونوگراف میں بند کر دینا اور اس کا بغیر کسی کمی بیشی کے اس آواز کو ادا کرنا۔
 نہایت دور دراز ممالک سے بذریعہ ان کمپوں کے جن کو آج کل ایجاد کیا گیا ہے (اشارہ
 ہے ریڈیو (Radio) کی طرف) آواز سننا۔

اور جیسے ہوائی ٹیلیگراف وغیرہ وہ چیزیں ہیں جن کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی
 ہے اور جن کی کمنہ و حقیقت تک اس شخص کے علاوہ جو ان ایجادات میں مہارت رکھتا
 ہو کسی کی پرواز عقل نہیں پہنچتی۔

تو کیا ان عجائبات کے ایجاد سے پہلے اگلے اور پچھلے دانشمندان کے وجود کو تسلیم
 کرتے؟ بالکل اسی طرح سے وہ امور آخرت جو کلام مجید میں مذکور ہیں ضرور واقع ہونے
 والے ہیں۔ اگرچہ ہماری عقل اس کی مخالفت پر تکی رہے۔“

ایک ایسے شخص سے جس پر مجھے اعتماد ہے میں نے سنا ہے کہ سندھ کے رئیسوں
 میں سے ایک صاحب تقریباً نثر برس پہلے یورپ گئے تھے وہیں انہوں نے پہلے
 پہل ریل گاڑی دیکھی۔ جب لوٹ کر سندھ آئے تو اس حیرت افزا چیز کا تذکرہ
 کرنے لگے، اس بات پر سب لوگوں نے ان کو جھٹلایا۔ اور اس کو دیوانہ کہنے لگے۔
 بیچارے نے سوائے اس کے چھٹکارہ نہ دیکھا کہ خاموشی اختیار کرے۔ پھر جبکہ سندھ
 میں بھی ریل چلنے لگی اور سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ تب اس کے جھٹلانے پر
 پشیمان ہوئے اور جان گئے کہ واقعی اس کا کہنا ٹھیک تھا۔

یہ ساری خرابی ہماری کوتاہ بینی اور قصور عقل ہی کی وجہ سے ہوتی ہے کہ ہمارا
 فہم محسوسات سے آگے نہیں بڑھتا اور ہماری تصدیق معلومات اور مالوفات کے دائرہ
 کے اندر ہی بند رہتی ہے۔ پس نجات اسی میں ہے کہ جو کلام مجید میں آچکا ہے یا جو
 کچھ امین صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے۔ اس پر ایمان لاکر تسلیم کریں۔ یہاں
 تک کہ اپنے سچے یقین پر اطمینان قلب کا درجہ حاصل ہو جائے اور اس میں کسی قسم کے
 تردد یا حیلہ جوئی کی آمیزش نہ ہو اور پس و پیش یا تاویل کی گنجائش نہ رہے۔
 حق تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:-

الَّتِي ذَلِكُ الْكِتَابُ لَارْيَبَ فِيهَا هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ
لِيُؤْمِنُوا بِالْغَيْبِ (پ ۱۰۴)

”یہ ایسی کتاب ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ ان پر ہیزگاروں کے لیے (اپنے اندر) ہدایت رکھتی ہے۔ جو (امور) غیب پر ایمان لاتے ہیں۔“
اور اکثر قرآن مجید کے قصے اسی قسم کے ہیں کہ عقل معاشی (ذیادوی سمجھ) ان کا انکار کر دیتی ہے۔ چنانچہ (مثال کے طور پر مختصراً کچھ قصے لکھے جاتے ہیں تفصیل کلام مجید اور تفاسیر میں دیکھنا چاہیے)

(۱) ”بنی اسرائیل کے ایک مقتول کا جبکہ گائے کے بعض اجزا اس پر مارے گئے زندہ ہو جانا اور اپنے قاتل کا پتہ بتلانا۔“ (پ ۹۴)

(۲) ”حضرت عزیر علیہ السلام کا انتقال کر جانا۔ اور آپ کے گدھے کا مر جانا اور سو سال کے بعد زندہ ہونا۔“ (پ ۳۴)

(۳) ”حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چار پرندوں کو ذبح کر کے ان کے گوشت کو قیمہ بنا کر آپس میں خلط ملط کرنا اور پھوڑا پھوڑا حصہ متفرق پہاڑوں پر رکھ کر ان کو بلانا۔ اس پر سب کے اعضاء کا اصلی حالت پر آپس میں مل جانا اور پرندوں کا آپ کے پکانے سے دوبارہ زندہ ہو جانا۔“ (پ ۳۴)

(۴) ”اصحاب کہف کا تین سو نو برس تک غار میں سونا اور پھر اتنی مدت کے بعد بحالت ہوش و حواس و سلامتی بدن بیدار ہونا۔“ (سورہ کہف، پارہ: ۱۵)

(۵) ”حضرت موسیٰ کی حضرت خضر سے رفاقت اور اس قصے کے محیر العقول واقعات۔“ (سورہ کہف)

(۶) ”حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی امت پر من (ترجمین) اور سلوی (بیٹریں) کا آسمان سے نازل ہونا۔“ (سورہ بقرہ، سورہ ماائدہ)

(۷) ”حضرت موسیٰ کا اپنی قوم کے ساتھ دریا سے بسلا مت گزر جانا اور فرعون اور اس کی قوم کا غرق اور ہلاک ہو جانا۔“ (سورہ بقرہ، پارہ اول، رکوٰۃ: ۶)

(۸) ” لوط علیہ السلام کی قوم پر زمین کا الٹ پڑنا اور اس طرح سے ان کا ہلاک ہونا۔“ (پط ۵: ۵)

(۹) قوم ہود علیہ السلام کو تیز ہوا کے غلاب سے ہلاک کرنا۔“ (پط ۸: ۸)

(۱۰) قوم صالح علیہ السلام کا جبریل علیہ السلام کی چیخ کی ہمیت سے ہلاک ہونا۔“ (پط ۶: ۶)

(۱۱) ”حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کا منگل جانا اور تین یا زیادہ دنوں کے بعد اگل دینا۔“ (پط ۶: ۶)

(۱۲) ”حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جنوں کا باوصف اجسام لطیفہ (ناری مادہ سے مخلوق) ہونے کے محرابیں اور تصویریں بنانا اور حوض کے برابر لگن اور نہ بننے والی دیگیں تیار کرنا۔“ (پط ۸: ۸)

(۱۳) ”مکہ بلقیس کا تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں عالم کتاب (یعنی آصف بن برخیا وزیر حضرت سلیمان) کی دُعا سے پلک چھپکنے سے پہلے پہنچ جانا۔“ (پط ۱۸: ۱۸)

(۱۴) ”حضرت صالح علیہ السلام کی دُعا سے پتھر کے ٹیلے سے اونٹنی کا نکلنا اور اس کی کوئی بھیجی کاٹنے کے بعد اس کے بچہ کا پھر اس ٹیلے کے اندر چلا جانا۔“ (پط ۸: ۸)

(۱۵) ”ابرہہ (شاہ یمن) کے لشکر کا ابابیل پرندوں کے پختہ لکڑیاں برسنانے سے ہلاک ہونا۔“ (پط سورہ ابابیل)

(۱۶) ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسدِ عنصریٰ کیا تھا آسمان پر اٹھایا جانا اور نہراول برس تک ان کا زندہ رکھنا۔“ (پط ۱۴: ۱۴ پط ۲: ۲)

(۱۷) ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی جسم الطہر عنصریٰ کے ساتھ معراج کے قصبے میں بلند آسمانوں تک جانا۔ پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ پر تشریف لے جانا اور پھر وہاں سے آگے مقام قاب قوسین تک آپ کا پہنچنا اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملاقات کرنا اور ایسے لمبے سفر سے اتنی دیر میں لوط آنا کہ آپ کی خوابگاہ ابھی ٹھنڈی نہ ہونے پائی تھی اور دروازے کا کندھل رہا تھا۔“ (سورہ بنی اسرائیل سورہ النجم اور احادیث)

یہ اور ان جیسے اور عجیب و غریب قصے جن کی خبر حق سبحانہ و تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کلام پاک میں دی ہے ایسے ہیں کہ عقل ناقص ان کو صحیح تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔

برخلاف اس کے وہ عقل کامل کہ جو معادی (اخروی) ہے ان کے قبول کرنے پر ہدایت یاب ہے اور انوار نبوت سے فیضیاب ہو کر ان پر نچتہ لعین رکھتی ہے۔ اس لیے منادی حق زبان حال سے پکار کر کہتا ہے کہ اے ”فریب خوردہ! اس عقل کو چھوڑو اور آگے بڑھو!“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پروردگار عالم سے براستدعالی کہ:

رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُنْجِي الْمُسَوِّقِ وَقَالَ اَدَلْمُ تَسْمِنُ قَالَ بَلَىٰ وَ لٰكِنْ لَّيَطْمِئِنُّ قَلْبِي ط (پ ۳۶)

”اے رب! مجھے دکھا دیجئے کہ تو کس طرح مردے زندہ کرتا ہے؟ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیم! کیا (اس پر) تم ایمان نہیں لاتے۔ (ابراہیم علیہ السلام) نے عرض کیا کہ بیشک (اس پر میرا ایمان ہے) لیکن (یہ سوال اس لیے ہے) تاکہ میرا قلب مطمئن ہو جائے۔“

حضرت خلیل کو اگرچہ اس پر نچتہ ایمان تھا لیکن چونکہ مردوں کا بوسیدہ ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا خلاف عقل تھا اس لیے وہ چاہتے تھے کہ مردوں کے زندہ کرنے کی کیفیت میں خداوند تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کریں اور جس طرح سے کہ قلب اپنی نظر کی بنا پر ایمان کامل رکھتا ہے۔ آنکھیں بھی عجائبات قدرت کے کرشموں سے بہرہ اندوز ہوں اور چونکہ یہ سوال رموز خلقت و محبت کے قبیل سے تھا۔ اسی رمز کی بنا پر باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے خلیل! کیا تو مردوں کے زندہ کرنے پر ایمان نہیں رکھتا۔ اگرچہ حق سبحانہ و تعالیٰ کو حضرت ابراہیمؑ کے ایمان کا علم تھا لیکن پھر انہیں کی زبان سے کہلوانے کے لیے یہ ارشاد ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت خلیل نے صاف کہہ دیا کہ

بلی یعنی بیشک اس قدرت پر مجھے قلبی نچتہ یقین ہے لیکن بظاہر چونکہ یہ صورت عقل کے مخالف ہے اور عقل اس حالت میں سر اسیمہ رہ جاتی ہے۔ اس لیے محض بلحاظ اطمینان قلب تاکہ تحیر عقل سے جو اضطراب قلب کو لاحق ہوا ہے۔ رائی العین یعنی مشاہدہ کی مدد سے اس کو زائل کر لیں اور ایمان بدیہی حاصل ہو جائے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اچھا چار پرندوں کو پکڑو۔ آخر قصے تک.....

حضرت غزیر علیہ السلام نے (ایک اجڑی ہوئی بستی کو دیکھ کر) کہا تھا کہ :

أَتَىٰ نَجْحِي هَذِهِ اللَّهُ لَعَدَّةً مَّا تَهَا (پ ۳ ع ۳)

” ایسے ویرانے کو خداوند تعالیٰ کیونکر بسائے گا۔“

لفظ ”کیونکر“ صاف بتلا رہا ہے کہ مردوں کے زندہ کرنے پر ایمان رکھنے کے ساتھ کیفیت زندگانی کا سوال ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے اس کی کیفیت انہیں دکھلا دی کہ :

أَمَاتَهُ اللَّهُ مَا لَهُ عَالِمٌ ثُمَّ بَعَثَهُ (پ ۳ ع ۳)

” سو سال تک ان کو مردہ رکھا اس کے بعد انہیں ننگی بجھی۔“

اور بطریق استخباران سے دریافت فرمایا کہ ”تم (یہاں پر) کتنا زمانہ ٹھہرے ہو۔“
 غزیر علیہ السلام نے جواب دیا کہ ”ایک دن کامل یا دن کا اکثر حصہ ٹھہرا ہوں۔“ چونکہ حضرت غزیر کی موت صبح کے وقت واقع ہوئی تھی اور عصر کے وقت دوبارہ زندگی پائی تھی تو آپ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ آج ہی کا واقعہ ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

بَلْ لَبِثْتُمْ هَاتِهِ عَامٍ فَا نْظُرُوا إِلَىٰ طَعَامِكُمْ وَ شَرَابِكُمْ لَمْ يَتَسَنَّهْ

وَ اَنْظُرُوا إِلَىٰ حِمَارِكُمْ وَ لَتَجْعَلَنَّ اَيُّهَا لِلنَّاسِ وَ اَنْظُرُوا إِلَىٰ الْعِظَامِ كَيْفَ

نَنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا الْحَمَامَ (پ ۳ ع ۴)

” نہیں بلکہ تم سو برس تک ٹھہرے ہو۔ پس دیکھ اپنے کھانے اور پینے کی طرف کہ (ابھی) مٹا تک نہیں اور اپنے گدھے کی ہڈیوں کو دیکھ کہ کیونکر ہم ان کا ڈھانچ بنا تے ہیں پھر ان کو گوشت پہنا دیتے ہیں۔“

جب اس سارے قصے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تو کہنے لگے کہ :

قَالَ أَعْلَمَاتُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (پت ۴: ۳)
 ”بیشک! مجھے اب یقین کامل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔“

حضرت موسیٰ کا یہ سوال کہ

رَبِّ ارْنِي أَنْظُرَ إِلَيْكَ ط (پت ۴: ۷)

”اے رب! مجھے اپنے مشاہدہ سے ممتاز فرمائیے۔“

اسی طرح اطمینان قلب کی خاطر تھا اس لیے کہ آخرت میں جو دیدار الہی بلا کیف ہونے والا ہے اس پر آپ ایمان رکھتے تھے۔ لیکن چونکہ دیدار بلا کیف سے عقل منکر ہے۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ یہ پردہ بھی اٹھ جائے اور ایک دفعہ اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو خطاب فرمایا کہ ”اے کلیم! اس نیاٹے فانی میں جہلا اس دیدار کی تاب کہاں لا سکتے ہو، جو آخرت کی پامدار نعمتوں میں اعلیٰ درجہ رکھتا ہے۔“ اگر اس بات کی سمجھ میں دقت ہو رہی ہے تو پھر اچھا ہے! ایک جھلک پہاڑ پر ڈالی جاتی ہے اگر وہ اپنی بڑائی، سختی، صلابت، اور بیجان ہونے کے باوجود اس جھلک کو سنبھل سکا اور اپنے مکان پر بٹھار با تو

فَسَوَفَ تَرَانِي فُلَمَا تَجِبْتِي رَبِّهُ بِتَجَبَلِ جَبَلًا ذَكَ (پت ۴: ۷)

پھر تم بھی دیکھ سکو گے لیکن جب حضرت الوہیت نے پہاڑ پر تہمتی فرمائی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور بیہیت خداوندی سے اس کے پرانگندہ ٹکڑے تتر متتر ہو گئے اور حضرت کلیم اس مقام کی دہشت سے بہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب آپ کو آفاقہ ہوا تو اس بے جا سوال پر استغفا پڑھنے لگے اور کہنے لگے کہ تقدس و پاکی تمہیں ہی سزاوار ہے۔ اس دنیا میں دیدار کے طلب کرنے سے میں توبہ کرتا ہوں اور آخرت کے دیدار پر سب سے پہلے میں ایمان لاتا ہوں۔“ اگر غور کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت خلیل یا حضرت کلیم اور حضرت غزیر علیہم السلام سب کا سوال ایک ہی ڈھب کا ہے یعنی وہ باتیں جو مخالف عقل ہیں۔ ان کے لیے اطمینان قلب کے اسباب طلب کرنا۔

لیکن ہاں سے آقا و مولا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا ہی سے اس قدر اطمینان رکھتے

ہیں کہ کبھی بھی اطمینان کے طالب نہ ہوئے اور نہ خداوند تعالیٰ نے انہیں اس کا محتاج بنایا بلکہ فرمایا کہ

وَعَلِمْتَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَحْسُلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ه

(پ ۱۳ ع ۱۴)

”جو کچھ تم نہیں جانتے تھے وہ سب تمہیں سکھا دیا ہے اور فی الواقع خداوند تعالیٰ کا تم پر بڑا احسان ہے۔“
منجملہ ان امور کے مُردوں کا زندہ کرنا۔

اور بلا کیف دیدار الہی سے (شب معراج شریف میں) مشرف ہونا ہے۔

اور اکثر وہ باتیں جو ہو گئی ہیں یا ہونے والی ہیں ————— ان کا بھی آپ کو کامل علم عطا کیا گیا۔ یہاں تک کہ اولیائے امت کے ایک بزرگ کہتے ہیں کہ اگر یہ پردہ اکھٹوں کے سامنے سے اٹھ جائے تب بھی میرے علم و یقین میں اضافہ نہ ہو۔“

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اگرچہ اطمینان کلی عطا فرما دیا گیا ہے مگر جبکہ بارگاہ الہی سے ملتِ ابراہیمی کے اتباع (پیردی) کا حکم ہے اس لیے حضور کی اُمت کو جو خیر الائمہ کے خطاب سے ممتاز ہے یہ ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم قلبی اطمینان کے طلبگار ہو۔

فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ (پ ۱۳ ع ۲)

”تو مجھے یاد کرو میں بھی تم کو یاد کروں گا۔“

۱۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

موسیٰ زہدش رفت بیک جلوہ صفات

تو عین ذات می نگر می و تبتسی

۲۔ ولا یلزم من هذا افضلیۃ غیر النبی علی النبی كما زعموا لان الفضلیۃ المخریۃ لا تصادق الفضل الکلّی ۱۲ منہ (ترجمہ) اس سے غیر نبی کی نبی پر افضلیت لازم نہیں آتی جیسے گمان ہوتا ہے کیونکہ جزوی فضلیت کلی فضلیت کا مقابلہ نہیں کر سکتی (ناشر)

اور فرمایا کہ

أَلَا بِيذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝ (پل ۱۰۶)

”بیشک ذکر الہی سے ہی قلب کو اطمینان اور تسکین ہوتی ہے۔“

اسی لیے منادی حق (فرشتہ غیب) زبان حال سے پکار پکار کر کہتا ہے کہ اے عاجز! اس عقل کو چھوڑو اور آگے بڑھو!

فصل

اے میرے عزیز بھائی! ”حق تعالیٰ تمہارے قلب کو نورا ایمان سے منور فرمائے“
جاننا چاہیے کہ اس رسالے میں ہمارا روئے سخن ان لوگوں کی طرف ہے جو مدعی اسلام ہیں اور قرآن مجید اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کو حق تعالیٰ نے تمامی مخلوق کے لیے بشیر و نذیر (خوشخبری دینے والا۔ ڈرانے والا) کر کے بھیجا ہے ایمان لاکچے ہیں لیکن وہ لوگ جو دائرہ اسلامی سے خارج ہیں اور اپنی عقل ناقص کے دھوکے میں پھنس چکے ہیں۔ یہ ہماری گفتگو ان کے ساتھ نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ عقل دو قسموں پر ہے :

(۱) عقل معاش

(۲) عقل معاد

جبکہ حق تعالیٰ نے انسان کو بہترین صورت پر بنایا تو اس کی فطرت میں دونوں عقلوں کا مادہ تفویض فرمایا۔ پھر جس شخص نے دونوں کو اپنی کوشش سے روشن کیا تو جو نتائج اور ثمرات دونوں پر مرتب ہو سکتے ہیں۔ ان سب سے وہ بہرہ اندوز ہوا اور جس نے ایک ہی عقل کو اختیار کیا تو نتائج بھی اسی ایک پر محصور ہے۔“
شاید تمہیں یہ خدشہ ہو جائے کہ عقل کے روشن کرنے کی کوشش بھی تو عقل کے ذریعہ سے ہوگی۔ گویا ہدایت کی جا رہی ہے عقل کی جانب عقل ہی کے واسطے سے

اس صورت میں اتحاد سبب اور سبب لازم آتا ہے حالانکہ وہ باطل ہے؛
اس کا جواب یہ ہے کہ عقل کی طرف ہدایت عقل کے وسیلہ سے نہیں بلکہ بواسطہ

تقدیر الہی ہوتی ہے۔ کلام مجید میں ہے :

فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذِ الْإِلٰهَ رَبًّا سَيِّئًا ۗ (پک ۱۳۶)

” جس شخص نے چاہا اپنے پروردگار کا راستہ پکڑا۔“

یہ فرما کر ارشاد ہوا کہ :

مَا تَشَاءُونَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ (پک ۶)

” تم مشیت الہی کے بغیر کچھ بھی نہیں چاہ سکتے۔“ (اسی سے یہ گتھی کھل جاتی ہے)

ہم نے جو کہا ہے کہ انسانی فطرت دونوں عقول کے قبول کرنے کی لیاقت رکھتی

ہے، اس کی یہ وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلٰى الْفِطْرَةِ فَالْبَوَّاءُ يَهُودًا نَّحْرًا

اَوْ يَمَجْسَانًا (الماخرا لحدیث) (جبا مع صغیر)

” ہر بچہ فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کے والدین اسے یا یہودی

کر لیتے ہیں یا مجوسی کر لیتے ہیں یا نصرانی بنا لیتے ہیں۔

(۱) پھر عقل معاش، مصالح جسمانی کی ہدایت کرتی ہے جیسے اسباب رزق فراہم کرنا

راحت بنیہ مکان، لباس اور نکاح کا حاصل کرنا اور اس کے ماسوا سبب انسانی حوائج و

لازم اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔

(۲) اور عقل معاد ملایمات روحانی کی طرف رہبری کرتی ہے جیسے اسباب راحت الہی

کو پالینا، جنت کی نعمتوں سے ہمیشہ کے لیے ہنکار رہنا اور دردناک عذاب سے اپنے کو چھڑا

لینا، یہ سارے امور اسی عقل کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

ہم نے اسباب رزق کہا ہے نہ خود رزق۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ انسان کی منتہائی

کوشش یہ ہے کہ اسباب فراہم کرے لیکن خود رزق کا حاصل کرنا یہ انسان کی طاقت

سے خارج ہے اس لیے کہ یہ امور حق سبحانہ و تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ انسان کی

کوشش کو ان میں کچھ دخل نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات سبب رزق..... پایا جاتا ہے لیکن تقدیر کی زد سے بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا ہے۔

اور سبب سے بھی یہاں پر مراد علامت ہے نہ سبب حقیقی۔ اس لیے کہ وہ سبب سے مختلف (خلاف) نہیں ہوتا ہے اور یہی حال راحت ابدی (یعنی نجات اخروی) کا ہے کہ انسان محض اعمال میں کوشش کر سکتا ہے۔ ان پر نجات عطا فرمانا حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور عقل معاشی میں انسان کیسا تھ سب حیوانات شریک ہیں اس لیے کہ کل حیوانات جن کو حق سبحانہ و تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور ان کے انواع کا شمار اٹھارہ ہزار تک کیا گیا ہے۔ (اور انسان بھی ان میں سے ایک نوع ہے) یہ سب جو رزق ان کے لیے مناسب ہے۔ اس کی تحصیل میں نہایت اچھی طرح ہدایت یاب ہیں۔

ان میں سے بعض ایسے ہیں جو دانہ چگتے ہیں جیسے بعض پرندے یہ دانوں کے حاصل کرنے کے لیے ہدایت یاب ہیں۔

اور بعض ان حیوانات میں سے ایسے ہیں جو گوشت کھاتے ہیں جیسے بعض پرندے اور درندے وہ گوشت کے حصول پر ہدایت یاب ہیں۔

اور ان میں سے بعض مچھلیاں اور دریائی کیڑے مکوڑے کھاتے ہیں۔ وہ بھی ان چیزوں کے حاصل کرنے کے لیے ہدایت پائے ہوئے ہیں۔

اور ایک جنس حیوانات میں سے ایسی ہے جن کے لیے نباتات (سبزی) مناسب ہے۔ وہ اپنے نباتی رزق حاصل کرنے پر ہدایت یافتہ ہیں۔

اور بعض ایسے ہیں جن کی غذا ہوا ہے ان کی ہدایت ہوا ہی کی طرف ہے۔ اور بعض پھر ایسے ہیں جن کو ہوا ضرور کرتی ہے جیسے دریائی جانور وہ ایسے مادہ کی طرف ہدایت یاب ہیں جو ان سے ہوا کو روکتا ہے۔

پس یہ سارے صبح کرتے ہیں اس حال میں کہ بھوکے ہوتے ہیں اور جب شام ہوتی ہے تو سیر ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ جو ان کا خالق ہے وہ رازق بھی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:-

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ مِنْ رِزْقِهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ
مُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (پک ۱۰: ۶)

کوئی جاندار ایسا زمین پر نہیں کہ جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو اور سب کی
قرار گاہ اور جائے بازگشت سے وہ خبردار ہے۔ یہ ساری باتیں ایسی کتاب
میں ہیں جو واضح اور روشن ہے۔

اور سب حیوانات کو پانی سے زندگی بخشی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (پک ۲۱: ۳۰)

اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا ہے۔

پس تقدس پاکی اسی ذات کو سزاوار ہے جو پہاڑوں کے بوجھ (ذرات) دریاؤں
کے اندازے (پیمانے) بارش کی بوندوں کے عدد، درختوں کے پتوں کے شمار، اور
رات دن کے یکے بعد دیگرے آنے کے حساب پر اس کا علم محیط ہے۔

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمْدُهَا مِنْ قَبْلِهِ
سَبْعَةَ مِائَةِ أَلْفٍ مَا لِفَضْلِ اللَّهِ - (پک ۱۱: ۱۷)

جس قدر زمین پر درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر اسے مد
دے (روشنائی بنے) اس کے بعد سات دریا اسے مد دیتے رہیں۔ تب بھی
خداوند تعالیٰ کے کلمات تمام نہ ہوں۔ (کلمات سے مراد معلومات الہی ہیں)

پس یہ عقل ناقص جس میں تمہارے ساتھ سارے حیوانات شریک ہیں۔ تمہیں
تصدیق امور آخرت کی طرف یا ان گزشتہ امتوں کے قصوں کی طرف جو قرآن مجید میں مذکور
ہیں یا معجزات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف کس طرح ہدایت کر سکتی ہے۔ اس
لیے کہ انبیاء کرام کے معجزات حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی
خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک اس قدر ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے۔ بلکہ خداوند تعالیٰ
کے سوا کسی کے علم میں نہیں سما سکتے۔ اور درحقیقت معجزات کے اور راک سے عقل معاش
عاجز ہی ہے اور معجزات انہیں کہا ہی اس لیے جاتا ہے کہ لوگوں کی عقل اس کی ماہیت

اور کیفیت کی سمجھ سے عاجز ہے۔

پس خود ہی سمجھ لو کہ عقل معاش جو دائرہ برہان عقلی میں محصور ہے۔ کیا امور ذیل کی تصدیق کر سکتی ہے۔ معجزہ شق التمر جو آپ کے اشارہ سے ہوا۔

تمہ خرام (استن خانہ) کا آپ کی مفارقت کی وجہ سے رونا اور فریاد کرنا۔
آپ کی مبارک انگلیوں کے پوروں سے پانی کے چشمہ کا پھوٹ پڑنا۔

ہزاروں آدمیوں کا ایک صاع (چار سیر کا پیمانہ) جو سے سیر ہونا۔

اور کیا یہ عقل باور کر سکتی ہے کہ عصائے موسیٰ اژدہا بن جائے، اور سمندر کا پانی دیوار بنے اور حضرت کلیم کا ہاتھ سورج کی طرح چمکتا ہوا سفید ہو جائے اور بنی اسرائیل پر پہاڑ آسمان کی طرح سرور کے اوپر آجائے۔

اور کیا ایسی عقل مان سکتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے مادر زاد اندھا اور کوڑھی سندرست ہو جائیں اور مردوں کو قیام باذن اللہ کہہ کر زندہ کر دیں۔ اور مٹی سے ایک پرندے کی صورت بنا کر اس کو ہوا میں اڑائیں۔

اور کیا یہ عقل تسلیم کر سکتی ہے کہ خلیل کے لیے نمرود کی بھڑکتی ہوئی آگ ٹھنڈی اور باعث سلامتی بن جائے۔ وعلیٰ نہ القیاس

نیز یہ عقل ناقص تمہیں کرامات اولیائے کرام کی تصدیق کی بھی ہدایت نہیں کر سکتی جو زیادتی شہرت کی وجہ سے حد تو اترو کر پہنچ چکی ہیں۔ اس طرح ہر کہ منکر کو بھی ان میں انکار کرنے کی گنجائش باقی نہیں۔ چہ جائیکہ سمجھ راد آدمی کو۔

پس جبکہ یہ عقل قصص کلام مجید، معجزات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، کرامات اولیائے کرام کی طرف بھی جو عموم تو اتر کی بنا پر بدیہیات میں شمار کیے جانے لگے ہیں۔ کچھ رہبری نہیں کرتی تو تمہیں کیسے ہدایت کرے گی۔ ان امور کی تصدیق کی طرف جو بعد میں واقع ہونے والے ہیں۔ مثلاً :-

عذاب قبر اور اس کی کشادگی

سوال جواب کے لیے فرشتوں کا داخل ہونا اور نکلنا

قبر کا میت کو بچھنچ لینا۔

ستر گز تک اس کا فراخ ہو جانا۔

اور جسم کا فنا اور بوسیدہ ہونے بلکہ ہوا میں پراگندہ ہو جانے کے بعد اٹھانا۔

آیا اس عقل کے ذریعہ کوئی سبیل ہے کہ وہ حالات اور ہولناک واقعات جو قیامت

کے دن پیش آنے والے ہیں معلوم کیے جاسکیں جیسے حساب، میزان، صراط، حجت اور

اس کی نعمتوں کا ہمیشہ کے لیے پائدار رہنا، دوزخ اور اس کی عقوبتوں کا غیر منقطع ہونا۔

پس کیا خداوند ذوالجلال کے عذاب سے ایسی ستیم اور سبک عقل کے ذریعہ نجات

کی امید کی جاسکتی ہے؟ جب نہیں! تو پھر اے سمجھ والو! تمہیں اس عقل کی پیروی کرنی

چاہیے جو آخر دی ہونے کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام کے منور سینوں سے لی گئی ہے۔

فصل

شائد تم یہ کہہ دو کہ عقل معاشی اگرچہ امور اخرویہ و حکایات مرویہ کی تصدیق میں قاصر

ہے لیکن جبکہ محسوسات کی سمجھ میں کمال رکھتی ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ اس کے درک میں

ایسے سنجیدہ امور آجائیں جو عاقبت میں نجات و مہندہ ثابت ہو سکیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات غیر ممکن ہے۔ کیا تم نے حکمائے یونان افلاطون اور

ان جیسے اوروں کے قصے نہیں سنے؟ اگرچہ وہ عقل معاشی میں ایسا اعلیٰ درجہ رکھتے تھے کہ

لوگ انہیں حکمائے الہی کہتے تھے۔ انہوں نے اپنے اخلاق و اقوال کو نہایت مہذب

شائستہ بنالیا تھا۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ افلاطون کی بیٹھیک اکثر قبرستان میں ہوتی

تھی۔ اور اس قدر روتے تھے کہ ان کے رونے کی آواز تقریباً ایک میل کی مسافت سے سنی

جاتی تھی اور ہمیشہ ان کی گفتگو حکمت و موعظت سے لبریز ہوتی تھی۔

لیکن ان سارے کمالات کے باوجود توحید اور قدرت الہی کے علم سے آخر تک

قاصر رہے۔ ان کا قوا تھا کہ ممکن نہیں کہ واحد (باری تعالیٰ) ایک آن (سعادت) میں

ایک چیز کے علاوہ کچھ اور بھی پیدا کر سکے۔

اور کہتا تھا کہ پہلے پہل خداوند تعالیٰ نے عقلِ اول کو پیدا کیا پھر اس کی مدد سے فلکِ اطلس یعنی عرش کو پیدا کیا ہے۔ پھر دونوں کی مدد سے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ اور اس نے حشرِ اجساد اور قیامت کے دن جنت اور دوزخ کے ہونے کا صاف انکار کر دیا ہے۔

اسی طرح سب حکمائے یونان عالم کو قدیم مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس پر فطاری نہیں ہو سکتی۔ ان میں سے بعض کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوتِ ایمان بھی پہنچی تو کہنے لگے کہ ”ہم تو پہلے ہی مہذب اور روشن خیال ہیں ہمیں ایسے شخص کی کوئی ضرورت نہیں جو ہمیں تہذیب سکھائے، اس طرح سے وہ اس عادتِ آخری سے محروم رہے جو نبی کے قول پر پختہ یقین اور تصدیق کرنے کے ساتھ وابستہ ہے۔“

اسی طرح تمہا طایہ کہنا کہ عقلِ معاشی محسوسات کے ادراک میں کامل ہے۔ یہ بھی مفروضہ ہے۔ اس لیے کہ ہم مثالوں سے واضح کر دیں گے کہ اس میں بھی عقلِ معاشی کم ہو جاتی ہے۔ مثلاً ستاروں کی تاثیرات محسوسات میں سے ہے لیکن عقل ہرگز اس بات کو نہیں جان سکتی کہ ان کے اثر کی وجہ کیا ہے اور ہر ایک کے ساتھ جو اثر مخصوص ہے یہ کیوں کر ہے۔ اسی طرح سے معدنی دہاتیں اور نباتی جڑی بوٹیاں ہیں کہ عقل اگرچہ افلاطونی ہو۔ پھیناک کی زہریت اور جدار کی تریاقیت کی وجہ معلوم کرنے سے عاجز ہے۔

کیا تم اپنے عقل سے بنسوجن اور چندن کی سردی اور سیاہ مرچ اور لونگ کی گرمی دریافت کر سکتے ہو؟

پھر نظرِ عقل کو ذرا اور آگے وسعت دو اور اس پتھر کو دیکھو کہ جیسا اس پر فولاد رگڑا جائے..... تو اس سے آگ کی چنگاریاں نکلنے لگتی ہیں جس کو چلمک کہتے ہیں اور سوچو کہ یہ آگ پتھر کی ہے یا فولاد کی یا دونوں کی۔ حالانکہ یہ سب صورتیں محدوش ہیں اور پورچ، جن کو تجربہ کھلم کھلا باطل کر دیتا ہے۔

اور کیا عقل قطب شمالی کے ساتھ متفاطمیس کو جو عشق ہے اس کا بھید کھول سکتی کہ عشق اور چاہ، اس متفاطمیس پتھر کے طرف سے ہے یا قطب شمالی سے یا

دونوں اس میں گرفتار ہیں۔“

اور کیا وجہ ہے کہ مقناطیس کے ساتھ سوئی پھرتی رہتی ہے؟ اگر اس بات کا تجربہ چاہو تو ایک سوئی کو تانبے کی طشت میں رکھو اور مقناطیس کو طشت کے نیچے گھماتے رہو تو پھر یہ تماشہ دیکھ لو گے کہ سوئی کیسے ناچتی ہے اور کیسے مقناطیس کے گھمانے سے سوئی گھومتی رہتی ہے۔

اور کیا عقل جان سکتی ہے کہ تنکے اور خشک گھانس کو جو کبریا کھینچتی ہے اس کا سبب کیا ہے۔ اگر اس کو بھی آزمانا چاہو تو ایک تنکے کو کبریا کے سامنے رکھ دو تو یہ بھی دیکھ لو گے کہ کیسے تنکا اڑ کر کبریا سے جمیٹ جاتا ہے۔

اور کیا تمہاری عقل مان سکتی ہے کہ نہر کچھور کے پیڑ کی طرف مادہ کچھور کے جھبک جانے کا کیا سبب ہے؟ حالانکہ یہ سارے امور دیکھے ہوئے اور مشاہدات میں سے ہیں۔ اور کیا تم جان سکتے ہو کہ نظر بد لگ جانے اور سحر کے تاثیر کرنے کا کیا سبب ہے، حالانکہ یہ دونوں ثابت اور حق ہیں جن کا نصوص میں بھی ذکر ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ فن ہنیت کے علمائے اپنے دلائل و براہین سے زمین کی کرویتہ (گول ہونا) ثابت کیا ہے۔ جغرافیہ کی کتابیں اور سیاح بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور سب سے قوی دلیل اس پر یہ ہے کہ جس وقت ہندوستان میں سورج کا طلوع ہوتا ہے اسی وقت امریکہ میں غروب ہوتا ہے اور وہاں کے طلوع کے وقت یہاں آفتاب غروب ہوتا ہے۔ (یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب زمین گول ہو)

اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ زمین ہوا میں معلق ہے اور آسمان اس کے چہار طرف سے پانسو برس کی مسافت پر دور واقع ہے۔ جیسا کہ نصوص سے ثابت ہے۔ اب کیا عقل کے ذریعہ ایسی بھاری اور بوجھل اجسام ارضیہ کا بغیر کسی ستون کے ہوا میں لٹکا ہوا رہنا سمجھ میں آ سکتا ہے؟ لیکن وہ دلیل جو فن ہنیت میں مذکور ہے کہ زمین کے درمیان ایک ایسا جاذب (کھینچنے والا) ہے جو سارے اجزائے زمین کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے تو وہ دلیل بیکار ہے۔ ہمارے مدعا سے سروکار نہیں رکھتی۔

ہم کہتے ہیں مان لیا کہ اس جاذب نے جمیع اجزائے ارضیہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔
لیکن کل زمین اپنے جاذب اور مجذب یعنی اتنے بڑے سمندروں اور بھاری پہاڑوں
کے ساتھ بغیر ستون کے ہوا میں کیسے قائم رہ گئی ہے۔

اس کے جواب میں یہ کہنا کہ پوری زمین کو کواکب (تارے) سماویہ اپنی طرف
کھینچ رہے ہیں۔ تو یہ دلیل غلطی ہے۔ مفید یقین نہیں۔ اس لیے کہ احتمال ہے کہ ان
کواکب میں قوت دفاعیہ (دفع کرنے کی طاقت) ہو جو جہات ستہ (بہ طرف) سے
روک رہے ہوں جس کی وجہ سے ہوا میں لٹک ہی ہو۔

اگر تم کہو کہ ایسا نہیں ہے۔ ہم کہیں گے اگر اندفاع صحیح نہیں ہے تو پھر انجذاب
کی صحت کیونکر تسلیم کریں اور اگر اندفاع کو مان لو تو ہم کہیں گے کہ اس صورت میں احتمال
آگیا اور اعتماد زائل ہوا۔

اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ زمین ہوا میں جذب کواکب یا ان کے دفع
سے قائم ہے لیکن ذرا نظر آگے بڑھاؤ اور دیکھو کہ پوری زمین خود کواکب جاذبہ یا
دافعہ کے ساتھ اور پھر ایک آسمان ان چیزوں کے ساتھ جو دوسرے آسمان تک اس
میں ہیں۔ یونہی ساتوں آسمان کرسی تک، یہ سب کیسے قائم ہیں اور یہاں پر کون سا
اندفاع ہے اور اس میں کیا انجذاب ہے۔

اس مقام پر پہنچ کر (بعد از خرابی بسیار) اگر ہوش سنبھال لیے اور کہہ دیا کہ
اس پورے مجموعہ کا قائم رہنا حق سبحانہ و تعالیٰ کے امر سے ہے۔
ہم کہیں گے صحیح ہے۔ لیکن ابتدائے کار سے اس کو کیوں نہیں مان لیا۔ تاکہ
اس ساری دوسری سے حشک کارا ہوتا۔

اور حقیقت میں یہی طریقہ اسلم اور استوار ہے۔ اس لیے وہ قادر جو ساتوں آسمانوں
کو ہوا میں سنبھال سکے کیا وہ اتنی قدرت نہیں رکھتا کہ صرف زمین کو ہوا میں لٹکا رکھے۔
باوصف اس کے کہ زمین کی تین چوتھائیوں کو دریائے شور گھیرے ہوئے ہے۔ اور سمندر
بھی زمین کی کرویہ کی بنا پر گروی (گول) ہے اور پانی باطبع سیال (بہنے والا) ہے

جو کردی شکل پر قائم نہیں رہ سکتا۔ تو اب بتائیے کہ پانی ہوا میں اس کردی شکل کے ساتھ کیسے ٹھہرا ہوا ہے؟

جس شخص میں تفکر کا مادہ ہوا اور وہ آسمان اور زمین پر ایک نفع نگاہ عبرت و ڈرائے تو وہ اس قسم کے بہت سے امثال پاسکتا ہے۔

سُبْحَانَكَ مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۙ

”پاکی ہے تیرے لیے تو نے ان چیزوں کو عبث (بیکار) پیدا نہیں کیا۔“

پس اس سے جو ہم نے ذکر کیا ثابت ہوتا ہے کہ عقل معاش جب محسوسات ذہنیہ کی سمجھ سے عاجز ہے تو معقولاتِ اخرویہ ایسی عقل کے ذریعہ کیسے دریافت کیے جا سکتے ہیں۔

اگر تم کہو کہ ستاروں کی تاثیرات، جڑی بوٹیوں اور دھاتوں کی خاصیتیں، پتھر سے آگ کا نکلنا، مقناطیس کا قطب شمالی اور لوہے سے عشق، کہر یا کٹکے کو کھینچنا، مادہ کھجور کا رکھجور کی طرف جھک جانا، زمین کا ایسے بوجھل ہونے کے ساتھ ہوا میں قائم رہنا، غرضیکہ یہ ساری باتیں جو مذکور ہوئیں سب کی سب حق تعالیٰ کی تقدیر اور امر سے ہو رہی ہیں اور خداوند تعالیٰ نے ہی ان اشیاء میں یہ تاثیریں اور خاصیتیں رکھی ہیں۔ اگرچہ ہماری عقل ان کو سمجھ نہیں سکتی۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں۔ ٹھیک ہے۔ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور تصدیق کرتے ہیں کہ ساری باتیں حق تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ اور حکمتِ کاملہ کے کرشمے ہیں اور یہی ہمارا مدعا و عین مقصود ہے۔ لیکن سوچنا چاہیے کہ خداوند تعالیٰ کی قدرت جب یہیں نہیں ایسے عجیب و غریب امور جن سے ہماری عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں دکھا رہی ہے تو کیا ایسی قدرت کا ملکہ ان امورِ آخرت کو جو ہماری عقل کے احاطہ سے باہر ہیں وجود میں نہیں لاسکتی؟

اگر اس بات کو مان لو تو بس نزاع اٹھ گیا اور مقصود حاصل ہوا۔ اور اگر اس پر بھی نہ مانو تو اس کا کیا علاج ہے۔ یہ سراسر سہٹ و دھرمی اور تعصب ہوگا بلکہ

فصل

برادر عزیز! جب اس عقل کے فساد اور تصور کو دیکھ چکے اور امور آخرت میں اس کی کم مائیگی کو جان چکے۔ تو اب اسے بے کار ہی رہنے دو اور کسی کام میں اس کی اطاعت نہ کرو۔ اور جب تمہیں اس کے تصور اور تصور کا یقین ہو گیا ہے تو خدارا اس کی پیروی کرنے سے پرہیز کرو اور اس کے مقدمات بنانے اور نتائج نکالنے کے داؤ سے بچے رہو۔ کیونکہ یہ تمہیں گمراہ کر کے فخرِ جہنم میں گھسیٹ لے جائے گی اور خدارا رسولؐ کے اوامر (احکام) اور وعدہ و وعید کے مقابلہ میں کبھی اس عقل ناقص کے مقدمات کو مت لانا۔ اس لیے کہ کم سبخت اور منحوس ہی غائب (آخرت) کو حاضر (دنیا) پر قیاس کیا کرتا ہے اور شیطان مردود کے دھوکوں سے تعلقین پاتا ہے۔

دہرا دہرا کر بار بار کہتا ہوں کہ کہیں اس کے بھندے میں بھنس کر اس کی مال برداری نہ کر بیٹھنا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَصْلَبْنَا اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمِهِ وَنَحْمُ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَوَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَصْدُرُ مِنْهُ
لَعْدِ اللَّهِ - (شپ: ۱۹)

کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا لیا ہے اور اللہ نے اسے علم ہی پر گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے۔ پس اسے اللہ کے چھوڑ دینے کے بعد کون رہنمائی کر سکتا ہے۔

اور عقل اخروی کی پیروی کرو کہ وہ تمہیں صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرے گی۔ اس لیے کہ یہ عقل نورِ نبوت سے مستفاد ہے جو قلبِ مؤمن پر فیضِ الہی ہے اور یہی عقلِ اندھیرے میں چراغ کی طرح بیابان میں رہبر و رہنما کی طرح اور آڑے وقت میں مشکل کشا کے مانند ہے۔

پس ایسی عقل کی پیروی اپنے اوپر لازم کر رکھو اور جب تک کہ ذمہ ہو کبھی اُسے ہاتھ سے نہ چھوڑو کہ یہی مہدکات میں نجات و مہذہ، اور یہی باقیات صالحات اور صراطِ مستقیم کی طرف رہنما ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اصل میں اسلام کی بنا تسلیم و یقین کرنے، اور جن باتوں کی قرآن مجید نے خبر دی ہے ان کو بلا انکار و بلا طلب دلیل کے قبول کرنے پر ہے۔ اسی لیے انسان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ یہ باتیں تم نے قبول کیں یا نہیں۔ اس کا سوال نہ ہوگا کہ تم نے اس پر دلیل بھی طلب کی یا نہیں۔

بنا بریں سمجھ دار آدمی کو چاہیے کہ اسی بات کو مضبوط پکڑے جس کا سوال ہو۔ اور جس بات کا ذکر تک نہ آئے فضول اس میں زندگی گوانے سے کیا حاصل۔ اور عقل اخروی اسی تسلیم اور یقین رکھنے کی پیروی و ہدایت کرتی ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی ارشاد فرمایا کہ:

فَأَسْتَقِمُّ كَمَا أُمِرْتُ - (پہ ۴: ۱۰)

”استقامت کیجئے جیسا کہ آپ کو امر کیا گیا ہے۔“

یہ نہ فرمایا کہ استقامت کیجئے اور جن باتوں کا آپ کو امر ہے ان کی دلیل بھی طلب کیجئے۔ حقیقت میں خداوند تعالیٰ کے امر کے سامنے دلیل طلب کرنا شیطان کی سنت (روش) ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے جب اس کو حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سجدہ کرنے کے لیے امر کیا تو اس نے جواب میں کہا کہ ”بھلا میں اس کی تعظیم اور سجدہ کر سکتا ہوں حالانکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے۔“ بیوقوف! اپنی جہالت سے یہ نہ سمجھا کہ مٹی منبع فیوض و برکات ہے اور آگ معدن نقص و مہدکات۔ پس جبکہ تمہیں کہا جائے کہ کہو اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ (ایمان لایا میں اللہ پر) تو بغیر تردد و تاخیر کے زبان اور قلب دونوں کے ساتھ کہہ دو کہ ایمان لایا میں اللہ پر درناخائیکہ وہ تمہارے کوئی اس کا شریک نہیں۔ اسی کا ہے ملک اور اسی کو منرا وادار ہے حمد۔ وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ ایک اور اکیلا اور ایسا بے نیاز ہے کہ نہ خود کسی سے پیدا ہوا ہے نہ اس سے کوئی پیدا ہوا۔ اور اس کا کوئی بچھس

نہیں۔ وہ سننے والا، دیکھنے والا، جاننے والا، کلام کرنے والا، زندہ ہے، قائم رکھنے والا ہے وہ قادر ہے اور وہی اول و آخر ہے اور وہی ظاہر و باطن ہے۔ آخر اس لئے حسنیٰ تک۔ وہ ازلی وابدی ہے۔ اس کے ذات و صفات اور افعال میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس کے فرمان کی یہ شان ہے کہ **اِذَا ارَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُولَ لَكَ كُنْ فَيَكُونُ** (پ ۴: ۳۷) جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا۔ پس وہ چیز موجود ہو جاتی ہے۔

اور باری تعالیٰ کا جسم نہیں، اس لیے کہ جسمیت کو ترکیب لازم ہے اور باری تعالیٰ ترکیب سے پاک ہے اور جو ہر بھی نہیں اس لیے کہ جو ہر جسم کا جزو ہے اور جبکہ وہ جسم نہیں تو جو ہر کیسے ہو سکتا ہے۔

اسی طرح سے باری تعالیٰ نہ کسی مکان میں ہے نہ کسی زمانہ میں اس لیے کہ مکان ضرور مکین کے ساتھ تماس ہوتا ہے اور مس بغیر جسمیت کے نہیں ہو سکتا۔ جس سے باری تعالیٰ منزہ ہے۔

اور اس پر کوئی زمانہ نہیں گزرتا۔ کیونکہ زمانہ نام ہے رات دن کے یکے بعد دیگرے آنے کا۔ اور اس بارگاہ قدس میں رات و دن کا گزر نہیں بلکہ وہ خود زمانہ کا خالق ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (پ ۴: ۳۷)

اس کے مثل کوئی شے نہیں اور وہ سنا اور دیکھتا ہے۔

اور وہ ایسی ذات ہے کہ اس کے ذات و صفات اور اسرار افعال و احکام میں اولیں و آخرین کے عقول حیران و سر اسیمہ ہیں۔

اور جب تمہیں کہا جائے کہ **كَمْ اٰهَنْتُمْ بِمَلٰئِكْتِهِ** (میں ملائکہ پر ایمان لایا ہوں) تو اسی طرح سے کہہ دو کہ میں اللہ تعالیٰ کے ملائکہ پر ایمان رکھتا ہوں جس طرح سے کہ وہ اللہ کے علم میں ہیں خصوصاً ان میں سے مقربین اور حاملین عرش پر آسمانوں میں تسبیح کرنے والوں پر۔ اور یقین رکھو کہ ملائکہ گناہوں سے پاک ہیں۔ کھانے اور پینے اور زرمادہ ہونے سے بری ہیں۔ **لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا اَمَرُوهُمْ وَلَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ** (پ ۴: ۱۹)

وہ حق تعالیٰ کی کبھی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں امر کیا گیا ہے۔
 اور جب تمہیں کہا جائے کہ کہو اٰنْتُمْ بِکِتَابِ اللّٰهِ (میں اللہ کی کتابوں پر
 ایمان لایا ہوں) تو اسی طرح سے کہہ دو کہ میں ان سب کتابوں پر جو اللہ تعالیٰ کی جانب
 سے انبیاء پر نازل ہوئی ہیں ایمان لایا اور اس پر کہ ساری کتابیں اس کلام قدیم ازلی
 کی تفصیل ہیں جو حروف اور آواز سے منترہ ہے اور یہ سب کتابیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف
 سے نازل شدہ ہیں۔

اور جب تمہیں کہا جائے کہ کہو اٰنْتُمْ بِرُسُلِہَا (ایمان لانا ہوں میں رسولوں پر)
 تو کہہ دو کہ اسی طرح میں اللہ تعالیٰ کے کل رسولوں پر اول الانبیاء حضرت آدم علیہ السلام
 سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ اصلی اللہ علیہ وسلم تک ایمان لایا ہوں خصوصاً
 ان پر جو مقرب بارگاہ الہی ہیں۔ اور کل انبیاء معصوم ہیں یعنی ان سے کوئی گناہ سرزد
 نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں توبہ مقبولہ کی توفیق دی ہے بر تقدیر اگر ان سے
 کوئی لغزش صادر ہو جائے۔ اور وہ بہترین مخلوق اور اللہ کے بندوں میں برگزیدہ ہیں۔
 انہوں نے تبلیغ رسالت میں کوتاہی نہ کی اور حق امانت ادا کر دیا۔ وہ راہ خدا میں شایان
 شان کوشش اور حق جانفشانی بخوبی بجالائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے
 بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ باوصف اس کے کہ نفس رسالت کے بارے میں
 ہم ان میں فرق نہیں کرتے۔ باری تعالیٰ نے اپنے پاک کلام اور پیارے خطاب سے
 ان کی عزت افزائی کی ہے اور اپنی تائید و نصرت سے ان کو غلبہ بخشا ہے۔ دنیا و
 آخرت میں ان کے مدارج بلند فرمائے اور اپنے گنہگار ان امرت میں ان کو حق شفاعت
 یعنی (سفارش) عطا کیا ہے۔ خاص کر اپنے فضل و کرم سے ہمارے آقا و مولانا محمد مصطفیٰ
 صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب (انبیاء) میں زیادہ فضیلت و بزرگی اور بلندئی درجہ کے
 ساتھ خاص و ممتاز فرمایا ہے، یہاں تک کہ آپ کو اپنا خلیفہ بنایا اور آپ کے قول و
 فعل کو اپنے قول و فعل کا منظر قرار دیا چنانچہ ارشاد ہے کہ:-

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی (پ ۹: ع ۱۶)

آپ نے نہ پھینکی (خاک کی مسمیٰ) جبکہ پھینکی بلکہ اللہ ہی نے پھینکی تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ارشاد ہوتا ہے کہ :

وَمَا يَنْطِقُ عَنْ قَلْبِهِ إِنَّ هُوَ إِلَّا نَجْوَىٰ يُوحَىٰ (پ ۲: ۴: ۵)

(نہیں کہتے اپنی خواہش سے بلکہ وہ وحی ہی ہوتی ہے جو نازل کی جاتی ہے)

اور آپ کی متابعت کو اپنی محبت کا سبب گردانا ہے اور فرمایا کہ :

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (پ ۲: ۴: ۱۱)

”اے حبیب! ان سے (کفار قریش سے) کہہ دو کہ اگر اللہ کی محبت کا دعویٰ

ہے تو میری متابعت میں ثابت قدم رہو تو اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے گا۔“

اور آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا اور فرمایا کہ :

وَمَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (پ ۲: ۴: ۸)

”جس نے رسول کی اطاعت کی تو درحقیقت اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“

اور آپ کے نور کو سب مخلوقات سے اول پیدا کیا اور آپ ہی کے نور سے زمین و آسمان پیدا کیے۔

حضرت آدم اور ان کے بعد جو انبیاء ہیں سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حبیب

کے نیچے قیامت کے دن جگہ دی اور حضور کو شفاعت عظمیٰ کا منصب عطا کیا۔ یہاں تک

کہ انبیاء و مرسلین کو بھی آپ کی وسیع شفاعت میں داخل ہونے کا فخر بخشا اور آپ ہی

کے اعزاز سے آپ کی اُمت کو خیر الائم کے لقب سے سرفراز فرمایا اور باوجود کثرت

معاصی کے آپ کی اُمت کو مسخ ہونے اور دھنسنے سے محفوظ رکھا اور عام عذاب

سے نجات بخشی۔

یہ محض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت و اعزاز کی وجہ سے آپ کی اُمت پر

انعام ہے چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ (پ ۲: ۴: ۱۸)

”اللہ ان کو عذاب میں گرفتار نہ کرے گا جب کہ آپ ان میں موجود ہیں۔“

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی پیاری عمر اور آپ کے پسندیدہ شہر کی قسم کھائی ہے کہ:
 لَعَمْرُكَ أَتَقْتُمُ لِنَفْسِكَ تَبَهُمْ لِعَمَلِهِمْ (پیلع: ۵) اور لَا
 أَقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ (پیلع: ۶) (۱۵)
 ”اے نبی محبوب! قسم سے آپ کی جان عزیز کی کہ بیشک کفار اپنے نشے میں
 بیٹھے ہوئے ہیں اور قسم کھاتا ہوں میں اس شہر (مکہ) کی درانحالیکہ آپ
 اس میں موجود ہیں۔“

اور آپ کو اسی دنیا میں اپنے دیدار سے محفوظ و مکرم کیا اور اپنے حضور میں قربت کا
 درجہ عنایت فرمایا۔ قولہ تعالیٰ:

عَمَّ دَتِي فَتَدَدْتِي فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ (پیلع: ۴) (۵)

پھر قریب ہوئے پھر اتر آئے اور جب گئے یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس
 سے بھی زیادہ نزدیک ہو گئے۔

اس کے علاوہ وہ وہ بلند درجے، اعلیٰ مقامات اور اعزاز آپ کو حاصل ہوئے جو حدود
 حساب و شمار سے باہر ہیں کسی نے کیا اچھا کہا ہے

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَيَا سَيِّدَ الْبَشَرِ
 مِنْ وَجْهِكَ الْبَيِّنَاتُ لَقَدْ نَوَّرَ الْقَمَرُ
 لَا يُكُونُ النَّوَّارُ كَمَا كَانَ حَقَّقَهُ
 لَعْدَا زُحْدًا ابْرُكًا لَوْ فِي قِصَّةٍ مُخْتَصَرٍ

”اے صاحب جمال اور اے انسانوں کے سردار! تیرے ہی منور چہرے سے
 چاند روشن ہوا ہے۔ تیری شایان شان تعریف ممکن نہیں۔ قصہ مختصر یہ ہے
 کہ خدا کے بعد بزرگی تمہیں ہی رکھتے ہو۔“

اور جب تمہیں کہا جائے کہ کہو اَمْنَتُ بِالْيَوْمِ الْآخِرِ تو بغیر شک و شبہ اسی
 وقت بے تاخیر اور بغیر کسی پس و پیش کے کہہ دو کہ میں روز قیامت پر ایمان لایا اور قیامت
 کے واقعات اور ہولناک مناظر پر یقین رکھتا ہوں اور اس بات پر کہ وہ دن پچاس ہزار

برس کے برابر ہوگا۔ اور حساب و کتاب اور صراط و میزان پر ایمان رکھتا ہوں۔ نیز جنت اور جنت کی نعمتوں پر جو ہمیشہ پائدار رہیں گی اور نہروں اور قصور (مخلفات) پر جو جنتیوں کو حسب مارج اعمال محض اللہ کے فضل و کرم سے عطا کیے جائیں گے ایمان رکھتا ہوں۔ اسی طرح دوزخ کو مانتا ہوں اور دوزخ کی ان تکالیف و عذاب کی تصدیق کرتا ہوں۔ جس میں کفار ہمیشہ ابدالآباد تک اور فساق (گنہگار) اپنے گناہوں کی آلودگی سے پاک ہونے کے لیے مبتلا رہیں گے اگر کسی کی شفاعت سے ان کی دستگیری نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے اس سے نجات بخشنے۔ اور اس بات کو صحیح تسلیم کرتا ہوں کہ اللہ محض اپنے فضل و کرم سے اپنے بعض صالح بندوں کو قیامت کے ہونا تک مواقع سے محفوظ رکھے گا اور عرش کے سایہ میں ان کو آرام کے لیے جگہ دے گا اور اتنا طویل دن ان کے لیے اتنے وقت کے برابر ہو جائے گا جس میں دو رکعتیں نفل کی پڑھی جا سکیں۔ اس میں حیرت اور تعجب کی کیا بات ہے جبکہ باری تعالیٰ خود زمانے کا خالق ہے تو یہ بھی اس کے قبضہ قدرت میں ہے کہ جس کے لیے چاہے اس کو لمبا بنا دے اور جس کے لیے چاہے اسے کوتاہ کر دے۔ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ (پہ ۱۴۶)

پس تم کو شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا چاہیے اور جب تمہیں کہا جائے کہ کہو اٰمَنْتُ بِالْقَدْرِ خَيْرٍ وَ شَرٌّ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی (ایمان لایا میں تقدیر پر کہ خیر و شر جملہ اللہ کی جانب سے ہے) تو تم کو اسی طرح سے کہنا چاہیے۔

اے راہ نجات کے طالبو! جاننا چاہیے کہ قدر کا مسئلہ علم کلام کے نہایت دقیق ترین اور سچیدہ مسائل میں سے ہے۔ اور قدر پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے اصرار و حقیقت کی تلاش میں پڑنا بدعت ہے۔

اس لیے کہ عقل معاشی اس مسئلہ کی حقیقت پالینے سے قاصر ہے۔ اس لیے تم پر لازم ہے کہ اس بات کا پختہ یقین رکھو اور اس کو تسلیم کرو کہ خیر و شر کل اللہ کے قدر ارادہ سے ہی ہوتا ہے جس کو تمہارے تولد سے پہلے ہی اللہ نے مقدر کر لیا ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :-

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ - (پت ۷۷)

” اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا ہے اور تمہارے اعمال کو بھی۔“

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :

أَرْبَعَةٌ تَكْتُبُ عَلَى ابْنِ آدَمَ وَهُوَ فِي بَطْنِ أُمِّهِ السَّعَادَةُ وَ
الشَّقَاوَةُ وَالرِّزْقُ وَالْعُمُرُ (مشکوٰۃ بالفاظ مختلف)

” چار چیزیں ایسی ہیں جو ابن آدم پر اس وقت لکھی جاتی ہیں جبکہ وہ ماں کے

پیٹ ہی میں ہوتا ہے۔ سعادت، شقاوت، رزق، اور عمر۔“

لیکن اللہ تعالیٰ خیر سے راضی ہوتا ہے اور شر سے ناراض۔ یہی مقام ہے جہاں سے
دلائل عقلیہ کے تابعین جو اللہ کی حکمتوں کے اسرار سے محروم ہیں ان کے پاؤں پھسل
گئے ہیں اور کہہ بیٹھے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ شر کو پسند نہیں کرتا تو اس نے شر کو پیدا ہی
کیوں کیا اور اس کا ارادہ کیوں فرمایا۔ اور اسی محل میں ملحدین کی (اپنے عقول فاسدہ و
دلائل کاسدہ کے اتباع کے موافق) کئی شاخیں بن گئی ہیں۔

پس جن لوگوں نے کہ شریعت کے دامن میں چنگل مارا ہے اس طرح پر کہ اللہ
کے اسرار اور حکمتوں کو جو اللہ کے ملک اور ملک میں ہیں اسی کو سونپ دیں اور اللہ
کے قضا و قدر پر تسلیم و ایمان کا اقرار کیا ہے تو وہ نجات پا گئے اور جنہوں نے اس کو باطل قرار
دیا وہ ٹوٹے ہیں رہے۔

اور ان کا یہ کہنا کہ جب اللہ تعالیٰ شر سے ناراض ہے۔ تو اسے کیوں اس نے پیدا
کیا اور کیوں کر اس کا ارادہ کیا ؟ یہ اعتراض نہایت بیہودہ اور بھی سفیہانہ ہے اس لیے
کہ بندہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے مالک سے اس کے اوامر و نواہی کے سبب دریافت
کرنے لگ جائے۔ بلکہ اصل بندگی یہ ہے کہ اس کی ساری باتوں پر پختہ یقین رکھنے کے
ساتھ اوامر پر نہایت متعدی سے قائم رہ کر عمل درآمد کرتا رہے اور نواہی سے بچے
اور سخت پرہیز کرتا رہے۔

اور درحقیقت اگر منظر غائر دیکھا جائے تو شر اس وقت شر اور بُرا ہے جب کہ

اس کا تعلق بندوں کے افعال سے ہو جاتا ہے لیکن اس تعلق کے قبل شر میں کوئی برائی نہیں۔ مثلاً بچھناک زہر قاتل ہے اور اس کا شر کھلا ہوا ہے لیکن اگر اس کی پیدائش پر نظر ڈالو تو اس میں کوئی شر نہیں۔ شر اور برائی جو اس سے نکلتی ہے وہ جب ہے کہ انسان اسے کھائے اور استعمال میں لائے لیکن جب تک کہ یہ جز زمین میں گڑھی ہوئی ہے تو اس میں نہ کوئی شر ہے اور نہ کسی قسم کا ضرر۔

شاید تم کہہ دو کہ پھر اس کی پیدائش سے آخر کیا فائدہ برآمد ہوا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں بہت فوائد ہیں۔ بعض بیماریوں کو اصلاح کے بعد نہایت فائدہ کرتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ اس میں اور بھی فوائد ہوں جن کا اب تک تجربہ نہ ہوا ہو۔

پس جس طرح سے لہ بچھناک کی پیدائش کے بارے میں حق تعالیٰ پر اعتراض کرنا سفاہت اور حماقت ہے۔ بالکل اسی طرح کفر اور گناہ کی پیدائش میں مکہ چینی نادانی اور جہالت ہے۔

اور دیکھو! سانپ کا زہر انسان کے لیے قاتل ہے لیکن خود ان سانپوں کے لیے سبب حیات ہے۔

ہوا انسان کے لیے سبب حیات ہے اور مچھلیوں کے لیے موجب ہلاک۔ اس کے بعد کوئی عاقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ اے پروردگار! تم نے ہوا کیوں پیدا کی۔ اس لیے کہ یہ ہوا تو مچھلیوں کے لیے ہلاکت کا سبب ہے؟
اصل میں خالق سے یہ سوال نہیں کیا جا سکتا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا (اس لیے کہ وہ حکیم ہے) البتہ بندے مورد سوال ہیں۔

اگر تم کہو کہ خیر! ہم نے تسلیم کیا کہ بچھناک اصلاح کے بعد فائدے رکھتا ہے اور سانپ کا زہر اگرچہ انسان کا قاتل ہے لیکن اسی سانپ کے لیے سبب حیات ہے۔ لیکن کفر و عصیان کا فائدہ پھر بھی سمجھ میں نہیں آتا۔

ہم کہیں گے کہ کفر و عصیان میں بھی بہت سے فوائد ہیں جن کو باری تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا لیکن باعتبار ظاہر جو ہماری سمجھ میں آسکتے ہیں وہ گناہ

دیتے ہیں۔

(۱) ایک یہ ہے کہ کفر و عصیان اللہ کے علم (مرد باری) کی بڑائی کا (جو اعداد کے ساتھ ہے) پتہ دے کر سمجھ داروں کے لیے ایک درس عبرت کھول دیتے ہیں جس سے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس دنیا میں جب حق تعالیٰ کا علم اپنے دشمنوں کے ساتھ اس حد تک ہے تو اپنے دوستوں اور خاص بندوں کے ساتھ آخرت میں کہاں تک ہوگا۔

(۲) دوسرا یہ ہے کہ مسلمانوں کا امتحان ہو جائے کہ وہ اس دنیا میں کفار کی ثروت (آسودہ حالی) و نعمت اور مال و اولاد کو دیکھ کر کیا دل سے ان کے حال کی طرف مائل ہوتے ہیں؟ یا ثواب اخروی کی خواہش میں جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مہیا کر رکھا ہے اور اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ کی زبانی اس کا وعدہ فرمایا ہے۔ دنیا کے چند روزہ مصائب تکالیف پر صبر و شکر کرتے ہیں۔ اور یہ ایسا فتنہ عظیم ہے جس میں اکثر لوگ پھنسے ہوئے ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَحْسِبَ النَّاسَ أَنْ يَتَذَكَّرُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا
وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ۔ (نپ ۱۳۴)

”کیا لوگوں نے — یہ خیال قائم کر لیا ہے کہ (محض) آمنا کہنے کی وجہ سے چھوڑ دیئے جائیں گے اور وہ فتنہ میں مبتلا نہ کیے جائیں گے اور البتہ اس سے پہلے بھی ہم نے لوگوں کو فتنہ میں ڈالا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اسپوں اور جھوٹوں کو جان لے۔“

(۳) تیسرا یہ کہ قیامت کے دن کفار کو گنہگار مومنوں کے لیے فدیہ کر دیا جائے گا جب کہ احادیث میں وارد ہے اور یہ اللہ کا مومنین پر بڑا احسان ہے۔

(۴) چوتھا یہ کہ اس صورت سے مومنین کو امور آخرت کی طرف شوق اور رغبت ملانی گئی ہے اور ان کے جذبات و حیات کو اس بات کی طرف براہِ انگیزتہ کیا اور ابھارا گیا ہے کہ دنیا کی نعمتیں اور ساسے دنیاوی امور کفار و فاسق کو سونپے گئے ہیں۔ تو جس

طرح سے کہ وہ کفار مشاغل دنیا میں منہمک اور محو ہیں اور اس معاملہ میں ہم (مؤمنین) ان کے ساتھ شریک نہیں۔ اس لیے مسلمانوں کی غیرت کا تقاضا یہ ہونا چاہیے اور ان کو سزاوار اور زیبا بھی یہ ہے کہ ہمہ تن امور آخرت میں مصروف اور منہمک ہو جائیں اور اس بات میں ان کو (کفار کو) اپنے ساتھ شریک نہ بنائیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ

اَلَّذِي نَسِيَ سِجِّينَ الْمُؤْمِنِ وَحَبَّتْهُ الْكَافِرِ (جامع صغیر)

” دنیا مومن کے لیے جیل خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔“

(۵) پانچواں یہ کہ اسلام کا نور کفر و عصیان کی اندھیروں کے مقابلہ میں اور زیادہ روشن ظاہر ہو جائے۔ اس لیے کہ سب چیزیں اپنی ضد ہی کے ساتھ مقابلہ کرنے سے جانی جاتی ہیں۔ اور مسلمان اس حقیقت کو جان کر شکر کو اپنے اوپر لازم کر رکھیں کہ ان کو حق سباز و تقاضے نے کفر و سرکشی سے نجات دی اور اسلام و ایمان کی نعمت عطا کی۔ پس اگر کفر نہ پیدا کیا جاتا تو نہ اسلام کی قدر کو جانا جاسکتا اور نہ اس کا شکر یہ ادا کیا جاسکتا۔

(۶) چھٹا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے غناء اور بے نیازی کا اظہار ہو کہ اس بے نیاز شہنشاہ کو مخلوق اور اس کے اعمال کی کوئی پروا نہیں۔ اس لیے کہ اگر اسے بندوں کی اطاعت میں منفعت ہوتی اور کفر و معاصی میں مضرت تو ضرور وہ اپنے اکثر بندوں کو کفار نہ پیدا کرتا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (نپ ۱۳۶)

”تحقیق اللہ کل مخلوقات سے غنی اور بے نیاز ہے۔“

(۷) ساتواں کفر کے پیدا کرنے سے یہ مقصد ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کے دوستوں کو نعمتیں دے کر اور ان کے دشمنوں کو عذاب میں مبتلا کر کے انبیاء علیہم السلام کے بڑے مرتبے اور شرف کو ملائکہ اور باقی مخلوق پر ظاہر کرتا ہے۔ اور کیا اچھا کہا گیا ہے فارسی میں :

برائے دوستش جنت برآد شمش دوزخ خداے او مقرر ساخت تا قدر و رادانی

کفر و عصیان میں اس کے علاوہ اور بھی منافع ہونگے جن کو ہم نہیں جانتے :-

وَمَا يَعْلَمُ حُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (پ ۱۵۷)

” اللہ کے عساکر اسرار کو اللہ ہی جانتا ہے۔“

نوٹ: مسئلہ تقدیر کو رسالۃ التلوین کے نام سے آخر کتاب میں علیحدہ بیان کیا جا گا اور جب تمہیں کہا جائے کہ کہو اَهْتُ بِالْبُعْتِ بَعْدَ الْمَوْتِ (موت کے بعد دوبارہ بعث، زندہ ہونے پر ایمان لایا ہوں) تو اسی طرح بلا تردید اور بلا طلب دلیل صاف کہہ دو اور عقیدہ رکھو کہ موت کے بعد اٹھنا حق ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس بات پر ایمان لانے بغیر ایمان کامل نہیں۔

جاننا چاہیے کہ بعث بعد الموت کا مسئلہ ان مشہور مسائل میں سے ہے جو کفار اور مؤمنین کے درمیان مختلف فیہ ہیں۔ کفار پچھلے زمانے سے لے کر اب تک اس کا انکار کرتے چلے آئے ہیں۔ اس لیے کہ ان کی ناقص عقلیں عدم کے بعد وجود کا انکار کر دیتی ہیں۔ اور مسلمان سچیدہ تعالیٰ بَعَثَ بَعْدَ الْمَوْتِ کا بہ اتباع فرمودہ الہی اعتراف کرتے ہیں۔ ارشاد الہی ہے:

قَالَ سَنَنْحِي الْعُظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ قُلْ يَحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا
أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (پ ۳۶)

” انسان کہتا ہے کہ ان ہڈیوں کو درآئیں گے وہ گل گئی ہوں کون زندہ کرے

گا۔ کہہ دیجئے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہ وہی خدا سے زندہ کر دے گا

جس نے اسے پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر ایک چیز کی صنع کو جانتا ہے۔“

مسلمان کہتے ہیں کہ جس ذات کی یہ شان ہو کہ وہ پہلے پہل مخلوق کو عدم محض

سے پیدا کر سکے وہ بطریق اولیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اسے دوبارہ پیدا کر دے۔

اگر بنا بر مذہب مادیین (نیچری یا دہریہ) یہ کہا جائے کہ ساری خلقت ابتداء

والدین کے نطفہ سے ہی پیدا ہوتی چلی آرہی ہے۔ عدم محض سے پیدائش نہیں ہو سکتی۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اچھا پھر بتلائیے کہ ہم سب کے باپ حضرت آدم

علیہ السلام کس نطفہ سے پیدا کیے گئے۔

اگر تم کہو مٹی سے۔ ہم کہیں گے ٹھیک ہے مڑوں کو بھی حق تعالیٰ مٹی سے اسی طرح پیدا کر دے گا۔

اچھا! ملائکہ، جن، اور عالم ارواح کس نطفے سے پیدا کیے گئے ہیں؟
اگر تم کہو گے کہ نور یا نار کے مادے سے۔ ہم جواب میں عرض کریں گے۔ صحیح فرمایا بالکل اسی طرح سے حق سبحانہ و تعالیٰ بلحاظ اعمال بعض مڑوں کو نور کے مادہ سے اور بعض کو آگ کے مادہ سے زندہ کرے گا۔

وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (پتہ ۱۳)

”اللہ تعالیٰ ہر ایک شے پر قادر ہے۔“

مخالفات کا باعث ان امور سے ہے جن کا خلاف تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے:

وَلَنْ يُخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدًا ۙ (پتہ ۱۳)

”اور اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا۔“

اور باعث بعد الموت ان مسائل ضروریہ اسلامیہ سے ہے جس کا قرآن شاہد ہے اور جس کے بارے میں احادیث صحیحہ تو اتنی حد کو پہنچ چکی ہیں۔ اس لیے اس کا منکر اسلام کے دائرے سے خارج ہے۔ اس وجہ سے تمہیں چاہیے کہ ارشاد الہی اور فرمان مصطفویٰ کے اتباع میں نجات طلب کرو اور عقل افلاطونی کو چھوڑ دو کہ یہ تمہیں بھی ایسا ہی ہلاک کرنے کی جیسا کہ خود اُسے ہلاک کیا تھا۔

فصل

ان امور میں سے جو تمہیں عذابِ آخرت سے نجات دے سکتے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آل اور اصحاب کے شرف اور بزرگی کا پختہ اعتقاد رکھو اور ان کی محبت کی وجہ سے لازم جانو اس لیے کہ حضور اکرم نے اپنی امت کو اپنی پاک و پسندیدہ آل اور پرہیزگار و برگزیدہ اصحاب کی محبت کے لیے نہایت شوق دلایا ہے اور برا لگینختہ کیا ہے۔

ان کے شرف اور حقوقِ عظیمہ کے بارے میں نصوصِ قرآنیہ اور صحیح احادیثِ نبویہ اس کثرت سے وارد ہیں جن کا بیان نہیں کیا جاسکتا۔ گویا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علمِ الہی سے جان لیا تھا کہ امت کا ایک حصہ ان دونوں برگزیدہ جماعتوں میں سے ایک کے ساتھ بغض رکھے گا۔ جس کی بنا پر آپ نے اس قدر ترغیب فرمائی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک فرقہ ایسا ہے، جو آل سے تو محبت کرتے ہیں۔ لیکن اصحاب کے ساتھ سخت بغض رکھتے ہیں۔ اور ان کی شان کو کم کر دیتے ہیں۔ اس گروہ نے اپنا نام شیعہ علی (یعنی طرفدارانِ علیؑ) رکھ لیا ہے اور سہی روافض ہیں۔ یہ لوگ اصحابِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں اور ان پر بہت سی ایسی باتوں کی تہمت لگاتے ہیں۔ جن سے وہ فی الحقیقہ بری ہیں۔

ہم اہل سنت و جماعت ان کی براءت اور حُسنِ عاقبت پر دو عادل گواہ پیش کر سکتے ہیں یعنی اللہ اور اللہ کا رسولؐ۔

حق سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :

مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ اَشِدَّاءُ عَلٰى الْكٰفِرِيْنَ
رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ
اللهِ وَرِضْوَانًا سِيَّاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثْرِ السُّجُوْدِ (پطع ۱۱۴)

”محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کفار کے حق میں سخت اور آپس میں نرم دل ہیں (اے مخاطب) تو ان کو رکوع اور سجدہ کی حالت میں ہی دیکھتا ہے۔ وہ اللہ کا فضل اور خوشنودی طلب کرتے ہیں۔ سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر نشانیاں ہیں۔“

اور ارشاد ہے کہ :

لَقَدْ رَضِيَ اللهُ مَعِنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يَبَايَعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّلِيْمَةَ عَلَيْهِمْ۔ (پطع ۱۱)

”تحقیق اللہ مسلمانوں سے راضی ہوا جبکہ وہ تم سے درخت کے تلے بیعت کر

رہے تھے۔ پس اُس نے جو ان کے دلوں میں ہے جان لیا۔ پھر ان پر اطمینان نازل فرمایا۔“

اور ارشاد ہے :

وَالسَّابِقُونَ أُولَٰئِكَ سَبَقُوا اللَّهَ لِمَأْجُرِهِمْ فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَأَن يُدْعُوا بِحَسَنَاتِهِمْ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (پل ۲۶)

” اور پہلے پہل سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار اور جنہوں نے ان کی اخلاقیات کے ساتھ پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہے اور وہ سب اللہ سے خوش اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے تلے نہریں بہتی ہیں۔“

جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی، مہاجرین، انصار اور ان کے بااخلاص متبعین کے لیے ظاہر فرمائی ہے تو اس آیت نے اس بات پر صاف دلالت کی کہ اللہ کی خوشنودی صرف ان کے لیے ہے اور ان کے لیے ہے جو ان کے بعد بھلائی اور محبت کے ساتھ ان کے تابع ہوئے۔

لیکن وہ لوگ جو ان کے بعد ان کے ساتھ بغض اور ناشکری سے پیش آئے تو وہ کبھی اللہ کی خوشنودی کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

ہیں اللہ کی خوشنودی کافی ہے اعداِ الہی کے عقصد کی ہمیں کوئی پروا نہیں۔ اور ارشاد الہی ہے کہ :

” لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلًا أُولَٰئِكَ أَكْبَرُ مَنْ دَرَجَاتٍ مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَاتَلُوا وَلَا يَسْتَوِي سَاءَ مَا يَحْكُمُ اللَّهُ بِالْمُحْسِنِينَ (پل ۱۷۴)

” تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح (مکہ) کے بعد خرچ اور قتال کیا ہے ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح کے پہلے خرچ اور قتال کیا ہے۔ یہ لوگ از روئے درجہ و اجر بہت بڑے ہیں اور اللہ نے سب سے نیک وعدہ

کیا ہے؟

انصاف کی نظر سے وُكَلَّمَ وَوَعَدَ اللّٰهُ الْمُحْسِنِيْنَ کے جملہ کی طرف دیکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ ”حسنى“ بالفاق مفسرین ”جنت“ ہے۔ اور ”كَلَّمَ“ (سب) کا لفظ نہایت بلند آہنگی سے پکار کر کہتا ہے کہ ”صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب اہل جنت سے ہیں۔“

اس آیت کریمہ سے وہ شبہ بھی دفع ہو جاتا ہے جس کو شیطان نے اپنے دوستوں کے دلوں میں آراستہ کر دکھایا ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم (اللہ تعالیٰ ان کی محبت پر ہمیں زندہ رکھے اور قیامت کے دن ان کی جماعت میں اٹھائے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سوا ایک چھوٹی جماعت کے جو کُل کے کُل شمار میں سات ہیں سب کے سب اسلام کے راستہ سے منحرف ہو گئے اور ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گئے (معاذ اللہ) اس لیے کہ جن لوگوں کا مال (انجام) رب العلیین کی شہادت سے جنت قرار پائے تو ایک مسلمان یہ گمان کیوں کر کر سکتا ہے کہ وہ عیاذاً باللہ مرتد ہو کر مرے۔

اور وَعَدَ اللّٰهُ کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اصحاب کو یہ بشارت وعدہ ہائے الہی سے ہے اور خود اللہ کا ارشاد ہے کہ:

وَعَدَ اللّٰهُ لَآ يَخْلِفُ اللّٰهُ وَعَدَاةً - (پا ۴۶)

”اللہ اپنے وعدوں کا خلاف نہیں کرتا۔“

اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ
فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَيُنصِرُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ أَلَيْسَ لَهُمُ الصَّادِقَاتُ

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدِّينَ الْإِسْلَامَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا
يَجِدُونَ فِي صُدُوقِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْتُونَ عَلَى الْفَعْمِ
وَلَوْ كَانَتْ بِهِمْ حَصَصَاتٌ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لِنَفْسِهِ فَاوْثِقًا هُمْ الْمَفْلُحُونَ
وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِ هُمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ
سَبَقُونَا بِالْإِسْلَامِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ

رُؤُفٌ رَّحِيمٌ ﴿۶۴﴾

” (مالِ نَفِ و غَنِيْمَتِ) ان محتاج مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکالے گئے ہیں جو اللہ کے فضل و رضا مندی کے طلبگار ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ہیں۔ (اور نیز مالِ غَنِيْمَتِ) اُن کے لیے ہے جنہوں نے (مہاجرین کے آنے سے پہلے) مدینہ میں اور ایمان میں قرار پکڑا دوست رکھتے ہیں اس کو جو ان کی طرف ہجرت کرتا ہے اور نہیں پاتے اپنے دلوں میں کوئی غرض (یا کوئی خلش) اس شئی کی طرف جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ان کو اپنی جانوں پر مقدم رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو۔ اور جو بچاتا ہے اپنے نفس کو بخل (یا حرص) سے تو وہی لوگ کامیاب اور فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو لوگ ان کے بعد آئے کہتے ہیں کہ اے رب ہمارے کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان لانے والوں کی بابت ہمارے دلوں میں کینہ نہ ڈال۔ اے ہمارے رب تو بڑا شفیق و مہربان ہے۔

حق تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو تین فرقوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک فرقہ ان مہاجرین کا ہے جو اپنے وطن اور مال سے محض اس لیے نکالے گئے کہ وہ اللہ کے فضل و رضا مندی کے طلب گار تھے اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کے خواہاں۔ پس اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس گروہ کا وصف اس طرح بیان فرمایا کہ یہ لوگ اپنے قول و فعل میں صادق ہیں اور انہیں کی طرف اس آیت پاک میں اشارہ ہے کہ:

فَاُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَلْعَمَلُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّنَ وَالصّٰدِقِيْنَ
وَالشّٰهِدِ اَعْرَ وَالصّٰلِحِيْنَ ﴿۶۴﴾

” جو اللہ اور رسول کا کہا مانتے ہیں تو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء صدیقین، شہدا اور صلحاء۔

تو ان کا درجہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد ہی ہے۔

دوسرا فرقہ انصار کا ہے جنہوں نے مہاجرین کے آنے سے پہلے مدینہ میں قرار پکڑا

اور ایمان کو اپنے دل میں جگہ دی۔ اللہ نے ان کا وصف اس طرح بیان فرمایا کہ یہ گردہ
مہاجرین سے محبت رکھتے ہیں۔

وَلْيُؤْتُوا عَلَىٰ النَّفْسِ لَهُمْ وَكَوْكَانَ بِهِمْ مَخَصَاصَةً (پت ۴۶)

اور ان کو اپنی جانوں پر مقدم سمجھتے ہیں۔ اگرچہ خود فقر و فاقہ میں ہی ہوں۔
اللہ نے ان کو اپنے نفسوں کے حرص و بخل سے بچالیا اور وہی لوگ کامیاب ہوئے
جن کی طرف آیت مذکورہ میں ”شہداء“ کے لفظ سے اشارہ ہے اور ان کا درجہ صدیقین
کے درجہ کے بعد ہے۔

تیسرا فرقہ ایسا ہے جو مہاجرین اور انصار میں سے نہیں ہے اور ان دونوں جماعتوں
کے بعد آیا ہے جن کے لیے ”حسنى“ (جنت) اور بلند مراتب نے آخرت میں سبقت
کی ہے۔ لیکن یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں :-

رَأَيْنَا أَغْفِرَ لَنَا وَكَانُوا مِنَّا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ (پت ۴۱)

”اے ہمارے رب! ہم کو اور ان کو جنہوں نے ایمان میں ہم سے سبقت کی ہے
بخش دے۔“

یہ جماعت اپنے لیے اور اپنے ان بھائیوں کے لیے جو ان سے پہلے ایمان لایچکے ہیں مغفرت طلب کرتے ہیں اور
کہتے ہیں: ”اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں میں مومنین کے لیے کینہ نہ ڈال۔“

پس اس وجہ سے کہ یہ لوگ صالحین اولین سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے لیے
مغفرت طلب کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں دعائیں مانگتے ہیں کہ ”اے اللہ ہمارے
قلوب میں ان کے بغض، کینہ، اور عداوت کو جگہ نہ دے“ تو ان کا حق تعالیٰ نے یوں
وصف کیا ہے کہ ”اللہ ان پر رحیم اور نہایت مہربان ہے۔“ اور انہیں کی طرف آیت

مبارکہ میں صالحین کے لفظ سے اشارہ فرمایا ہے۔ ان کا درجہ شہداء کے درجہ کے بعد ہے۔
پس مہاجرین اولین اتنے بلند مراتب سے اسی وجہ سے ممتاز ہوئے کہ حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مٹے ہوئے تھے اور انصار درجات عالیہ سے جیسی سرفراز
ہوئے کہ حضور اکرم اور مہاجرین کی محبت سے سرفراز تھے۔ اور باقی امت جزو مرتحق سبحانہ و تعالیٰ

کی رافت و رحمت کی اسی وقت مستحق ہوئی جبکہ ان سب کی محبت کو انہوں نے حرز جاں بنایا۔ اس لیے وارد ہے کہ :

أَلَمْ تَرَ مَعَ مَنْ أَحَبَّ (ترمذی شریف)

” آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ وہ محبت رکھتا ہوگا۔“

لیکن وہ لوگ جو کہ نہ مہاجرین میں سے ہیں نہ انصار میں سے اور نہ ان لوگوں میں سے جو صحابہ کرام سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں بلکہ ایسے لوگ ہوں جنہوں نے کینہ، بغض اور عداوت کو اپنا دین اور طریقہ بنا لیا ہو اور لعن و طعن و لیاؤ اور اصحاب رسول اللہ کو اپنی عادت و عبادت سمجھتے ہوں۔ پس تم ان کے بارے میں کیا خیال کرتے ہو؟ کیا آخرت میں ان کا کوئی حصہ ہو سکتا ہے؟ یا وہ دوزخ سے چھپکارا پاسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں!!

كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَجُوبُونَ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا
الْبَحِيمِ ثُمَّ يُقَالُ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ تُبْهِنُونَ (پت ۸۷)

” بیشک وہ اپنے رب (کے دیدار) سے اس دن آٹھ..... میں (یعنی محروم) ہوں گے۔ پھر وہ ضرور دوزخ میں داخل ہوں گے۔ پھر (ان کو) کہا جائے گا کہ یہی تو ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔“

دوسرے گواہ ان کی برأت اور بہتری عاقبت پر حضور اکرم میں حضور کا ارشاد

ہے :- إِنَّ اللَّهَ اخْتَارَنِي وَأَخْتَارَنِي أَصْحَابًا فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فِجِبْتِي أَحَبَّهُمْ

مَنْ الْبُغْضُ مِنْ الْبُغْضِ

” اللہ پاک نے پہلے مجھے منتخب فرمایا۔ اور میرے لیے میرے اصحاب منتخب فرمائے

پس جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے تو میری ہی محبت کی وجہ سے، اور جو ان سے

بغض رکھتا ہے وہ میرے ہی بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے بغض کو اپنے نفس کا بغض گردانا ہے اور

تم خود ہی انصاف کرو کہ جو (بدبخت) حضور سے بغض رکھے تو اسے کس طرح زیادہ جائز

ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام کا دعویٰ کرے۔

اور حضور اکرم فرماتے ہیں کہ :

أَصْحَابِي كَأَتَجْوِمِ بِأَيْتِهِمْ اِقْتَدَايْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ - (مشکوٰۃ شریف)

”میرے اصحاب تاروں کی مانند ہیں جس کی بھی تم پیروی کرو گے ہدایت یاب ہو گے۔“

اور فرماتے ہیں :

اللَّهُ اللَّهُ اِفْتِ اصْحَابِي مَا تَتَّخِذُ وُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِي فَلَوْ اَلْفُ اَحَدًا

مِثْلُ اَحَدٍ دَهَبًا مَا بَلَغَ مَدًا اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفًا - (مشکوٰۃ شریف)

”ڈرو اللہ سے۔ ڈرو اللہ سے میرے اصحاب کے بارہ میں۔ تم ان کو اپنے

اغراض کا آماجگاہ نہ بناؤ۔ اور اگر تم میں سے کوئی احد (پہاڑ) کے برابر ہونا

اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو سبھی ان کے (صحابہ کے) ایک چھوٹے پیمانے بلکہ اس

کے آدھے کے بھی برابر ہی نہیں کر سکتا۔“

پس جبکہ ان کے آپس کی شفقت و رحمت، ”اللہ کی ان سے رضامندی و خوشنودی“

..... ان پر سکینہ (اطمینان) کا نازل کرنا۔“ ان سے حسنیٰ یعنی جنت کا وعدہ کرنا۔ یہاں

تک کہ جو ان کی پیروی کرے وہ بھی اللہ کی رضامندی کو پائے۔ یہ سب باتیں جداگانہ

قرآن مجید سے ثابت ہوں۔ اور حضور اکرم نے اپنی امت کو ان کی شان میں خوش کرنے

(داخل دینے سے) نہایت سختی سے روکا ہو۔ ان کی خیرات کو دوسروں کی خیرات سے

”چاہے وہ احد پہاڑ کے برابر ہونا ہو،“ بڑھ کر فرمایا ہو سلطان کی محبت کو اپنی محبت اور ان

کے بغض کو اپنا بغض گردانتا ہو۔ ان کو امت کے لیے ستارے قرار دیا ہو (ان کی پیروی

سے منزل مقصود کو پہنچیں) پس اے منصف! اس گروہ کے بارہ میں تیرا کیا خیال

ہے جو ان کا منکر ہے اور ان سے بغض رکھتا ہے اور ان کو گالیاں دیتا ہے بلکہ ان کے

لعن و طعن اور سب و شتم و تبریٰ کو اس نے رات دن کا وظیفہ بنا لیا ہے؟

قَاتِلَهُمُ اللَّهُ اِنِّي لَيُؤْفِكُوْنَ۔ ”مارے ان کو اللہ تعالیٰ کہاں جا کرے میں۔“

دوسرا ایک فرقہ ایسا ہے جو حضور اکرمؐ کی آل اطہار اور ذریت مطہرہ سے بغض و عناد رکھتے ہیں اور یہ وہی ہیں جن کو خوارج اور نواصب کہا جاتا ہے۔

حالانکہ حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ:

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ (سپ ۶۴)

”کہہ دیجئے آپ کہ میں تم سے (کفار سے) تبلیغ رسالت پر کوئی اجرت نہیں مانگتا

مگر قرابت کی مودت (مانگتا ہوں)“

پس جبکہ عزیز دل اور قریبوں کی دوستی اور مودت کفار سے بھی مطلوب تھی تو کیا ایک پکے

مؤمن اور متقی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی مودت لائق و لازم نہیں؟

اور حضورؐ فرماتے ہیں کہ:

وَاللَّهِ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ إِلَّا لِيَمَانٍ حَتَّىٰ يُحِبَّهُمْ لِلَّهِ وَ

لِقَرَابَتِهِمْ مَتَىٰ - (صواعق محرقة)

”قسم ہے اللہ کی! کسی آدمی کے دل میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ

اہلبیت سے اللہ کی وجہ سے، اور میری قرابت کی وجہ سے محبت نہ رکھے“

اور حضورؐ نے حضرت حسنؑ کے بارہ میں فرمایا ہے کہ:

اللَّهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّنَا وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّنَا

”اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ تو بھی اسے دوست رکھ۔ اور دوست

رکھ اُسے جو اس سے محبت رکھتا ہے“ (مشکوٰۃ)

راوی کہتا ہے کہ یہ کہہ کر حضورؐ نے حضرت حسنؑ کو اپنے سینہ مبارک سے چمپایا۔

اور حضورؐ فرماتے ہیں کہ:

مَنْ أَحَبَّ الْحَسْنَ وَالْحُسَيْنَ فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَبْغَضَهُمَا فَقَدْ

أَبْغَضَنِي - (صواعق محرقة)

”جس نے حسن اور حسین سے محبت رکھی، تحقیق اس نے مجھ سے محبت کی اور جس

نے ان دونوں سے بغض رکھا، پس تحقیق اس نے مجھ سے بغض رکھا۔“

اور فرماتے ہیں :-

حُسَيْنٌ مَبِيحٌ وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ أَحَبَّ اللَّهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا حَبِيبٌ
سَبَّطٌ مِنَ الْأَسْبَاطِ (مشکوٰۃ)

حسین مجھ سے بہتر ہے اور میں حسین سے ہوں دوست رکھے اس کو اللہ جو دوست
رکھتا ہے حسین کو اور حسین فرزند ہے (میرے) فرزندوں میں سے،
اور حضور فرماتے ہیں کہ :

إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ الثَّقَلَيْنِ الْقُرْآنَ حَبْلُ اللَّهِ مُمْدُودٌ
مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ وَعِترَتِي أَهْلُ بَيْتِي وَلَنْ يَفْتَرِقَا
حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الْخَوْضَ (مشکوٰۃ مختصراً)

” میں تم میں سے اے جن دنس دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ ایک قرآن جو اللہ کی رسی
ہے وہ آسمان سے زمین تک کھچی ہوئی ہے۔ دوسری اپنی اولاد یعنی اہل بیت
کو اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض (کوثر)
پر وارد ہو جائیں۔“

پس جس طرح کہ قرآن کی محبت ایمان کے ترازو کا ایک پلہ ہے۔ اسی طرح اہل
بیت کی محبت اس کا دوسرا پلہ ہے اور ایمان کا ترازو ان دونوں پلوں کی برابری کے
بغیر ہرگز قائم نہیں رہ سکتا۔ اور حضور نے فرمایا ہے کہ :-

مِثْلُ أَهْلِ بَيْتِي كَسَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَّى وَمَنْ تَخَلَّفَ
عَنْهَا غَرِقَ (جامع صغیر)

” میری اہل بیت نوح کی ناؤ کی طرح ہے جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا اور
جس نے تخلف کیا وہ غرق ہوا۔“

قَدْبِيهِ حَسَنٌ ۚ حضور نے اپنے اصحاب کرام کو ستاروں سے تشبیہ
دی ہے اور اہل بیت طاہرہ کو حضرت نوح کی کشتی کے مانند قرار دیا ہے۔ اس میں یہ
نکتہ ہے کہ کشتی ساحل مقصود کو جہی پہنچ سکتی ہے کہ ستاروں سے ہدایت یا بھولتا ہو۔

گویا کہ حضور نے فوراً نبوت سے جان لیا تھا کہ امت میں سے ایک قوم ایسی پیدا ہوگی جو اہل بیت کی محبت کا دعویٰ کرتی ہوگی۔ لیکن اصحاب سے بغض ان کا شیوہ ہوگا۔ اس لیے حضور نے فرمایا کہ جو ”محبت اہل بیت“ کی کشتی میں سوار ہونا چاہتا ہے۔ اس پر پہلے لازم ہے کہ ”ہدایت اصحاب“ کے ستاروں کی رہنمائی حاصل کرے تاکہ اس کے ایمان کی کشتی ساحلِ نجات پر جا پہنچے اور درجاتِ عالیہ کے کنارے جا سکے۔

اور جس نے ستاروں سے ہدایت یابی کو چھوڑ دیا۔ تو اس کی کشتی ڈوبنے اور ہلاکت کو جھانک رہی ہے۔ اس لیے کہ اس سمندر کی موجیں بڑی ہی ہلاکت آفرین دمصاب آگین ہیں جن سے بہت ہی کم مسافر بچ کر نکلتے ہیں۔

”مَعَادِرَةٌ“ آل اطہر کے فضائل کے بارہ میں ہم نے جو اختصار برتا ہے یہ اس وجہ سے نہیں کہ اہل سنت کو ان سے محبت کم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم ان کی محبت کو ایمان کا ایک جزو جانتے ہیں۔ جس طرح سے کہ اصحاب کی محبت کو دوسرا جزو سمجھتے ہیں اور ہمارے اعتقاد کا ترازو بسمجہ تعالیٰ آل اصحاب دونوں کی محبت سے قائم و برابر ہے۔ اس قدر کہ کوئی ایک پلہ بھی جھکا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ اصل سبب اس کا یہ ہے کہ اس بیان کی ضرورت کم ہے۔ اس لیے کہ جو لوگ آل اطہر سے بغض رکھتے ہیں۔

أَحْيَانَا اللَّهُ تَعَالَى عَلَىٰ مَحَبَّتِهِمْ وَأَمَّا سَأَىٰ عَلَىٰ مَحَبَّتِهِمْ وَحَشَانَا
مِنْ زُمْرَتِهِمْ

”حق سبحانہ تعالیٰ ہمیں اہل بیت کی محبت پر زندہ رکھے اور انہیں کی محبت پر مارے اور انہیں کی جماعت میں ہمارا حشر ہو“

اُن خوارج کو حق تعالیٰ نے بفضلہ روئے زمین سے ہلاک کر کے اٹھا دیا ہے صرف ایک تھوڑی سی جماعت اطرافِ یمن اور بحر فارس کے کناروں میں باقی ہے۔ برخلاف اس کے وہ لوگ جو اصحاب سے بغض رکھتے ہیں کل روئے زمین پر مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں اور اپنے اس خاص نفاق کی وجہ سے جس کو وہ لوگ ”تقیہ“ کہتے ہیں۔ اہل سنت و الجماعت سے مل گئے ہیں اور مختلط ہو گئے ہیں اور تقیہ ان کے

اصول مذہب میں سے ہے۔ دراصل یہی ان کے بکھر جانے اور انتشار کا قوی سبب ہے۔ اللہ انہیں ہدایت دے؛ اے میرے بھائی! خدا تمہیں ہدایت کی توفیق دے؛ جاننا چاہیے کہ آل و اصحاب سے بدگمان ہونا (اللہ ہمیں اس سے بچائے) خود حضور اکرم سے بدگمانی ہے۔ اور ان کی تقیص خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقیص ہے (پناہ بخدا) یہ اس وجہ سے کہ جو شخص اپنے ایسے محبوب ترین آل و اصحاب کو (جو اسے سب لوگوں سے زیادہ پسندیدہ ہوں)..... اور آپ کی موافقت اور اتباع کمال کے ساتھ موصوف ہوں..... اور آپ کی محبت اور رضا مندی میں اپنی جانیں اموال، اور اولاد بیدریغ خرچ کرتے ہوں) اللہ کے عذاب سے نجات دلانے پر قادر نہ ہو تو بھلا وہ اپنی امت کے تمام افراد اور تمامی مخلوق کی نجات دہی پر کیسے قدرت رکھ سکتا ہے؟ باوصف اس کے کہ وہ مخالفت اور بدعت میں کمال رکھتے ہوں۔

اس کے علاوہ حضور نے آل و اصحاب کو بہشت بریں کی بشارت دی ہے۔ جو احادیث صحیحہ مشہورہ سے ثابت ہے جسکی مجموعی حیثیت حد تو اتر کے لگ بھگ ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ "ابو بکر جنت میں ہوں گے اور عمر جنت میں ہوں گے یہاں تک کہ عشرہ مبشرہ پورے گن دیئے۔" (اللہ ان سب سے راضی ہو)

أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ إِلَى أَنْ عَدَّ الْعَشْرَةَ الْمُبَشِّرَةَ
رَضُوا أَنْ اللَّهُ عَلَيْهِمُ أَجْمَعِينَ - (مشکوٰۃ مختصراً)

اس بارہ میں احادیث اس قدر کثرت سے وارد ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ اور فرمایا کہ:

أَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأُمَّهُمَا رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا وَعَنْهَا سَيِّدَةٌ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ - (مشکوٰۃ مختصراً)

"حسن و حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور ان کی ماں جنت کی عورتوں کی سیدہ ہیں۔"

اس لیے کہ آل و اصحاب نے اپنی جانیں، اپنے مال اور وطن، اپنے اہل و اقارب

اپنے مددگار سب کے سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، مدد اور خدمت میں صرف کر دیئے تھے۔

پس جبکہ روافض کے خیال پر اصحاب عذاب الہی سے نجات یاب نہ ہوئے اور جبکہ خوارج کے گمان پر آل اطہر نے چٹپکارا نہ پایا تو پھر تمہیں سوچو کہ عوام امت جو بعد میں آئے اور جنہوں نے شریعت مطہرہ اور طریقہ پسندیدہ و نجات دہندہ کی مخالفت کی..... ان کا کیا حشر ہوگا۔

اگر کہو کہ یہ سب دوزخی ہیں "پناہ خدا"؛ تو پھر نبی ہاشم جو ساری مخلوق سے علی الاطلاق بہتر و برگزیدہ ہے اس کے بھیجنے سے کیا فائدہ ہوا۔

تعب ہے! سارے انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں میں سے جنہوں کو خدا چاہے نجات دے دیں..... اور ہمارے نبی و مولا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی محبوب ترین امتوں کو بھی عذاب الہی سے نہ بچا سکیں؟ تو حضور کے تقرب الی اللہ بہتری و مشرف کے آخر کیا معنی ہوئے۔

اور سنئے! حق تعالیٰ حضور کی امت کو فرماتا ہے کہ:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (پک ۳۷)

"ان امتوں میں جو لوگوں کے لیے پیدا ہوئیں تم بہتر ہو"۔

اگر دوزخ میں جانا ہے اور خاتمہ بالخیر کی کوئی صورت نہیں تو پھر یہ اچھی بہتری ہوئی۔ (اللہ میں اپنے فضل سے اس سے بچائے رکھے) اس کے علاوہ اس عقیدہ رکھنے سے حضور اکرم کو صاف صاف جھٹلایا جاتا ہے۔ اس لیے کہ حضور تو آل و اصحاب کے لیے یہ خبر دیں کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ہمیشہ وہیں رہیں گے اور وہ روافض و خوارج یہ اعتقاد رکھیں کہ وہ دوزخ میں داخل ہوں گے اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ (پک ۸)

"پاک ہے اے نبی تجھے! یہ تو بڑا بھاری بہتان ہے"

فصل

ان چیزوں میں سے جو عذاب الہی سے نجات دلا سکتی ہیں ایک یہ ہے کہ اولاً رابعہ (جو قطعی اور یقینی ہیں) کی صحت پر سچمۃ اعتقاد رکھو، اور وہ چار یہ ہیں:

۱، کتاب اللہ (۲) سنت رسول (۳) اجماع (۴) قیاس

کتاب سے مراد خداوند غالب و حکیم کی کتاب یعنی قرآن مجید ہے۔ اور سنت سے اجماع سے مراد وہ اتفاق ہے جو کتاب اور سنت کے مخالف نہ ہو (اور فی الحقیقت امت کا اکثر حصہ کتاب سنت کا نہ کبھی مخالف ہوا ہے اور نہ کبھی ہو سکتا ہے! اس لیے کہ حضور نے فرمایا کہ:

لَا يَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ (مشکوٰۃ)

”میری امت گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی۔“

اور قیاس سے مجتہدین کا کتاب سنت اور اکثر یا کل صحابہ کے اجماع سے یا ان صحابہ سے جن کی دلیل زیادہ قوی ہو، استنباط اور اخذ مراد ہے۔

اور مجتہدین چار امام ہیں جن کے چار مذہب مشہور ہیں (اشدان سے راضی ہو) اور اس بات کی دلیل کہ مذہب چار میں کیوں منحصر ہیں اور ان مشہور ائمہ پر اجتہاد مطلق کی کیونکر تخصیص ہے۔ یہ سارے دلائل بڑی کتابوں میں مذکور ہیں۔ یہ جگہ ان کی تفصیل کی نہیں۔

نیچر یہ | ایک قوم ایسی ہے کہ انہوں نے ان سب دلیلوں کا انکار کیا ہے اور انہوں نے اپنا مذہب طبیعت کی اصلاح اور رعایت پر بنایا ہے۔ چاہے وہ امور شرعیہ میں ہو یا غیر شرعیہ میں۔ اگر طبیعت نماز کی خواہش کرے گی تو نماز پڑھیں گے اور اگر شراب نوشی کی آرزو کرے گی تو شراب پیئیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

وہ خداوند تعالیٰ اور ملائکہ اور جنوں کا انکار کرتے ہیں اور جہان کے ازلی وابدی ہونے

پر یقین رکھتے ہیں۔ اور حشر و نشر، حساب، میزان، صراط، حجت اور دوزخ کے منکر ہیں۔ ابتدا میں انہیں ہر یہ کہا جاتا تھا۔ اس لیے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمیں دہر (زمانہ) ہی ہلاک کرتا ہے نہ کوئی اور۔ اور اب انہیں نیچر یہ کہا جاتا ہے۔ اس مصیبت میں آج کل بہت سے سمجھ دار، امیر، حکام، اور معززین باوصف اسلام کے دعویٰ کے مبتلا ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ - وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

اہل قرآن | اور ایک قوم نے قرآن کا تو اقرار کر لیا کہ یہ کلام الہی ہے۔ لیکن احادیث، اجماع اور قیاس کے منکر بنے۔ انہوں نے اپنا نام اہل قرآن رکھا ہے۔ جو آج کل اطراف ہند میں پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ ان کو رسوا کرے اور ان کی گردنوں میں ٹھوڑیوں تک طوق (طوق ملامت) ڈال دے۔

یہ لوگ اتنا نہیں جانتے کہ شریعت اسلامیہ کا قرآن مجید اجمال ہے اور احادیث نبی کریمؐ اس کی تفصیل ہیں اور شریعت بغیر تفصیل کے تام نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے کام مجید میں نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا امر فرمایا ہے لیکن یہ بیان نہ فرمایا کہ نماز کس طرح اور کتنی رکعتیں ہر وقت میں پڑھی جائیں۔

اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ زکوٰۃ کس طرح اور کتنی دفعہ دینی جائے اور تقوٰہ اور چوپایوں کا کیا نصاب ہے۔ یہ ساری باتیں احادیث نبی کریمؐ نے تفصیل سے بیان فرمائی ہیں جن کو ہم قرآن پاک سے نہ جان سکتے تھے۔

اگر یہ احادیث نہ ہوتیں تو البتہ لوگ سخت پریشانی اور عیب میں پڑ جاتے۔ اور اللہ تعالیٰ کا نام پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

مَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَاَمَّا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (سورہ احزاب ۶۶)

”جو تمہاریسے پاس رسول لائے اس کو لو (اس پر عمل کرو) اور جن چیزوں سے منع کرے ان سے رُک جاؤ۔“

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (پ ۸ ع ۱۸)

” جس نے رسول کی اطاعت کی پس یہ تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی ہے۔“

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو یکساں نہیں سمجھتا۔ حق تعالیٰ اس کے حق میں فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنُكْفِرُ بِبَعْضٍ وَهُمْ لَا يَتَذَكَّرُونَ
أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا
لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا (پ ۱ ع ۱)

” بیک دم وہ لوگ جو انکار کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کا اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ اور اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور وہ چاہتے ہیں کہ نکالیں کفر و ایمان کے بیچ بیچ ایک راہ ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں اور ہم نے تیار کر رکھا ہے۔ کافروں کے لیے ذلت کا عذاب۔ ایک منصف کو ان رسواؤں کے لیے یہی آیت کافی ہے۔“

رافضیہ، خارجیہ، اور معتزلہ وغیرہ اور ایک قوم کتاب اور سنت کا انکار کرنے ہے لیکن صحابہ اور تابعین اور امت کے اجماع کی منکر ہے۔ یہ لوگ قرآن و حدیث کی اپنے خیالات فاسدہ سے تاویل کرتے ہیں اور ان مومنین مقبولین کے راستہ پر نہیں چلنے جن کا حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ:

وَيَلْبِغْ غَيْرِ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ لَوْ لَمْ يَأْتُوا وَنُصَلِّهِمْ
وَسَاءَ مَا مَصِيدًا (پ ۱۳ ع ۶)

” جو چلے گا مسلمانوں کے راستہ کے سوا (دوسرا راستہ) چلا تے رہیں گے۔ ہم اُسے اُسی راستہ پر جس پر وہ چلا اور اس کو دوزخ میں جھونک دیں گے اور وہ بُری جگہ ہے۔“

اور ان کی یہ جماعتیں ہیں، رافضیہ، خارجیہ، معتزلہ، قدریہ، جبریہ وغیرہم وہ گمراہ فرقے جن کو حضور اکرم نے اپنے قول مبارک میں یوں ذکر فرمایا ہے کہ :

سَفَّتِرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا

وَاحِدَةً الْحَدِيثُ - (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

” میری امت تہتر (۳۷) فرقے ہوگی وہ سب وزخی ہوں گے مگر ایک فرقہ۔“

اور انہوں نے نہ جانا کہ شریعت مطہرہ کے بہت سے احکام اجمال ہی پر باقی تھے۔ یہاں تک کہ صحابہؓ اور تابعین کے زمانہ میں ان کی وضاحت و تفصیل ہوئی۔ حضورؐ سے حدیث صحیح میں ثابت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ :

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّتِ الْخُلَفَاءِ الْمَأْتُونَ الْمَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي
وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَصْحَابِي كَالْحُجُورِ بَابِهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ
إِهْتَدَيْتُمْ - (مشکوٰۃ باب الاعتصام و باب المناقب مختصراً)

” تم اپنے اور میری سنت (طریقہ) کو لازم رکھو اور ان خلفاء کی سنت کو جو میرے

بعد فیض رسال اور ہدایت یاب ہیں۔“ اور فرمایا۔ ”میرے اصحابؓ سارے
کی طرح ہیں جس کی ان میں سے پیروی کر دے گے ہدایت یاب ہو گے۔“

پس اگر شرع شریفین میں صحابہؓ کے دور تک اجمال نہ ہوتا۔ تو البتہ شارع علیہ السلام
خلفائے راشدین اور باقی اصحاب کی سنت کی پیروی کا امر نہ فرماتے۔

اور ایک قوم نے کتاب اور سنت اور اجماع صحابہؓ اور تابعین کا اقرار کیا لیکن
قیاس مجتہدین کے منکر ہوئے اور اس زمانے میں یہ لوگ ہندوستان میں اہلحدیث کہلاتے
ہیں جو دہابیتہ کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں۔

اور وہابی کی نسبت محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرف سے جس کو خداوند تعالیٰ
نے علم کی بنا پر گمراہ کر دیا تھا۔

یہ شخص ۱۲۲۱ھ (بارہ سو میں) ہجری میں ظاہر ہوا اور حرمین شریفین پر چڑھائی
کر کے متغلب ہوا۔

اس نے اس لڑائی میں علمائے کرام اور مجاورینِ حرمین شریفین کی بہت بڑی عہمت کو قتل کر دیا اور ان کے مالوں کو لوٹ لیا۔

پھر حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان کو محمد علی پاشا مصری کی ہمت و جراتمندی سے (جس کو سلاطینِ ترکیہ عثمانیہ نے اس مہم پر مامور کیا تھا) لڑائیوں کے بعد ہلاک کیا۔ اور ذلتوں سے نکلوایا۔ جس کا ذکر موجبِ طوالت ہے اور جس کو شیخ احمد دحلان مکی نے اپنی کتاب تاریخِ اسلامیہ میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

پھر دوبارہ یہی نجدی ۱۲۲۲ھ (تیرہ سو چالیس) ہجری میں حرمین شریفین پر متغلب ہوئے اور پہلے سے بڑھ کر افعالِ شنیعہ کے مرتکب ہوئے اور طائف میں قتل و خونریزی اور مار دھاڑ اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر دیا اور سارے ممالکِ حجاز میں مساجد، اور یادگار عمارت اور صحابہ و صالحین کے قبوں کو گرا دیا اور وہ تادمِ تحریر بلادِ مقدسہ کو دا بے بیٹھے ہیں۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی صورت نکالتے۔ آدم بر سرِ سخن، ان لوگوں کے عقائد جو ہندوستان میں اپنا نام المہدیش رکھے ہوئے ہیں یہ ہیں۔ یہ لوگ مجتہدین کے مستنبط (برآوردہ) احکام کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ ہم سب قرآن اور حدیث کو سمجھ سکتے ہیں۔ ہمیں علماء میں سے کسی ایک کی تقلید (پیروی) کی حاجت نہیں۔ کاش وہ اسی بات پر اکتفا کرتے، وہ تو یہاں تک بڑھے کہ کہنے لگے کہ مجتہدین کی تقلیدِ شرک ہے، یا بدعت، یا فسق (یہ ان کے خیالات کا اختلاف ہے جو ان کی کتابوں میں مذکور ہے) وہ اتنا نہ جانے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى اللَّهِ سُؤْلِ وَإِلَىٰ أَوْلِيَ الْأُمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَ الَّذِينَ
يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ (پہ ۸۶)

”اگر اس کو (کسی بات کو) پہنچا دیتے رسول اور اپنے اولی الامر تک تو اس کی مصلحت معلوم کر لیتے۔ ان میں سے وہ جو مصلحت معلوم کر سکتے ہیں“

اور مراد اولی الامر سے علمائے مجتہدین ہیں۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :

لَا تَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الصَّلَاةِ

” میری امت گھسی پر جمع نہ ہوگی۔“ (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

اور امت محمدیہ میں سے اہل السنۃ والجماعت نے خیر القرون سے لے کر آج تک انہیں چار مذاہب کے اتباع پر اجماع اور اتفاق کیا ہے۔

اور حضور فرماتے ہیں کہ :-

اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ وَمَنْ شَدَّ فِي النَّارِ

” بڑی جماعت کی پیروی کرو اور جو جماعت سے علیحدہ ہوگا۔ دوزخ کے لیے بھی علیحدہ کیا جائے گا۔“

اور بڑی جماعت مقلدین ہی کی ہے جو چار مذاہب مذکورہ میں سے کسی نہ کسی کی پیروی کرتے ہیں۔

اس باب میں بہت سے سوال و جواب ہو سکتے ہیں۔ اگر تم پوری تفصیل چاہو تو ہمارا رسالہ اصول اربعہ دیکھو، جو دو بابیہ کی ترویج میں لکھا گیا ہے۔ امید ہے کہ تم اس کو سارے سوال اور جواب میں کافی اور شافی پاؤ گے۔

فائدہ ہفتم

شائد تمہارے دل میں یہ خدشہ گزرے کہ ہم پر ان مذاہب کی تقلید کیونکر لازم ہو سکتی ہے جبکہ صراط مستقیم کو قرآن عظیم نے روشن اور مبین کر دیا ہے، اور اگر کسی قدر قرآن میں اجمال ہے تو اس کو نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نے واضح بیان کر دیا ہے۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ایک تو خود قرآن مجید اور احادیث نبی کریم نے ہمیں تقلید کا حکم دیا ہے صراحتاً یا دلالتاً۔

قرآن حکیم کا صراحتاً حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :

وَيَذِجْ عَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ لَوْلَا مَا لَوْنَىٰ وَلَصِلِحَ جَهَنَّمَ

وَسَاءَتْ مَصِيرًا (پ ۱۴۷)

” جو مسلمانوں کے راستے کے سوا دوسرا راستہ چلے گا ہم اسے چلاتے رہیں گے جس پر وہ چل رہا ہے۔ یہاں تک کہ پہنچا دیں گے اسے جہنم تک اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔“

سچے دار لوگ جانتے ہیں کہ اُمت مرحومہ میں سے اکثر مومنین نے انہیں مشہور چار مذاہب کی تقلید ہی کو اختیار کیا ہے۔ اور قرآن پاک کا دلالتِ حکم یہ ہے کہ خداوند پاک اپنے بندوں کو صراطِ مستقیم کے طلب کی یوں تعلیم دیتا ہے کہ کہو:-

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ - (سورۃ فاتحہ)

” اے رب! ہمیں ان لوگوں کے صراطِ مستقیم (سیدھے رستے) پر چلا جن پر تُو نے فضل و انعام کیا ہے۔“

پس اصل مطلوب دعائیں صراطِ مستقیم ہی ہے اور صراطِ مستقیم سبھی انہی لوگوں کی راہ ہے جن پر اللہ کا انعام ہے یعنی نبیین، صدیقین، شہداء و صالحین۔

اور نمازی کو امر کیا گیا ہے کہ دعا میں جن پر انعام کیا گیا ہے۔ انہی کی تقلید (پیروی) کا سوال کرے جن کو ”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ سے تعبیر کیا گیا ہے اور سب کے نزدیک یہ بات مانی ہوئی ہے۔ کہ چار امام مذاہب مشہورہ والے (اللہ ان سے راضی ہو) صالحین میں سے تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جن پر خداوند تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔

سوال: صلحاء ان کے علاوہ اور بھی بہت سے پائے جاتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ بس انہی چار کی تقلید کی جائے نہ دوسروں کی؟

جواب: اُمت مرحومہ نے انہی کی تقلید پر اتفاق کیا ہے نہ دوسروں کی تقلید پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت باطل پر اتفاق نہیں کر سکتی (و نیز ان مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی کا مذہب بالتفصیل مدوّن بھی نہیں ہوا۔ بعض بعض مسائل میں اقوال منقول ہیں۔ کل امور دین کے مسائل انہیں مذاہب میں مدوّن ہیں) اس کے علاوہ یہ اللہ کا فضل

ہے جسے چاہے دے۔ اس پر کسی کا دینا آتا ہے ؟

اور حدیث شریف کا صراحتہ حکم یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں:

اَتَّبِعُوا السَّوَادَ اَلْاَعْظَمَ فَلَنَهْ مِنْ شِدَّةٍ سُدَّتْ فِي النَّارِ (بخاری ج ۱ ص ۱۰۰)

” بڑی جماعت کی پیروی کرو اور جو اس سے بڑا ہوگا وہ جہنم میں جدا کیا جائیگا۔“

اور اُمت مرحومہ میں ” بڑی جماعت“ انہی چار مشہور مذہب کے مقلدین ہی کی ہے۔

اور حدیث شریف کا دلالتہ امر یہ ہے کہ آپ ابوسعید خدری (ایک صحابی) کو

فرماتے ہیں :-

اِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبِعٌ وَاَنْتُمْ سَيَاتُوكُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ

يَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ فَاِذَا جَاءُوكُمْ فَاسْتَوْسُوْا بِهِمْ حَيْثُ رَا

” لوگ تمہارے تابع ہیں اور وہ تمہارے پاس اطراف روئے زمین سے کھچے

ہوئے آئیں گے تاکہ دین میں فقہت (سمجھ) حاصل کریں تو تم ان سے اچھی

طرح پیش آنا۔“ (شکوٰۃ کتاب العلم)

اور آپ فرماتے ہیں کہ:

لَوْ كَانَ الْعِلْمُ بِالثَّرِيَّا لَتَنَّا وَ لَكُنَّا بِجَالٍ مِنْ هُوَ كَلِمَةٌ وَاَشَارَ

اِلَى سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ وَ هِيَ نَبِيٌّ وَايَةٌ مِنْ اَنْبَاءِ فَارِسٍ (تبيين ص ۱۰۰)

” اگر علم ثریا کو بھی پہنچ جائے تب بھی اس قوم کے لوگ اُسے پالیں گے اور

سلمان فارسی کی طرف اشارہ فرمایا اور ایک روایت میں صاف اس طرح

سے وارد ہوا ہے کہ ” انبائے فارس“ میں سے اس علم کو پالیں گے۔“

دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن عظیم جو خدا نے غالب دانا کا کلام ہے خداوند تعالیٰ

نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے تیس برس میں نازل فرمایا ہے۔

اس کے احکام و امور اور نوہی اختلاف اوقات زمانہ کے لحاظ سے جداگانہ نازل ہوتے

رہے ہیں (یہی وجہ ہے کہ بظاہر بعض آپس میں متباہن نظر آتے ہیں) پس بعض ان میں سے ناسخ اور منسوخ ہیں اور بعض محکم و متشابہ ہیں اور بعض مقدم و مؤخر ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ شَكٌّ فَيَتَّبِعُونَ مَتَابَهَاتَهُ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ - (پ ۹۴)

” وہی ذات ہے جس نے تم پر کتاب جس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل میں کتاب کی اور بعض دوسری متشابہ ہیں۔ (کئی معنی دینے والی جن کی حقیقت تک سائی نہ ہو سکے) پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ پیچھے پڑے رہتے ہیں ان آیتوں کے جو متشابہ ہیں۔ فتنہ و فساد کے ارادہ سے اور ان کے اصل مطلب جاننے کے قصد سے حالانکہ ان کا اصل مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

تیسرا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید محب اور محبوب کی آپس میں گفتگو ہے۔ کبھی تو رموز سے خطاب کیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے اَلَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ عَشِقُ وَالَّذِينَ هُمْ عَشِقُ اور کبھی اشارات سے پس کہا جاتا ہے کہ اَلَّذِينَ آمَنُوا عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى (پ ۱۰۴)

” رحمان عرش پر قائم ہوا۔“

اور معراج کے قصہ میں فرمایا جاتا ہے کہ:

ثُمَّ دَنَىٰ فَتَدَلَّىٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ (پ ۱۰۴)

پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا پس فاصلہ رہ گیا دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی قریب تر

اور یہ کہ:

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ (پ ۱۰۴)

” جس دن ساق (پنڈلی) کھولی جائے گی۔“

اور یہ کہ

إِنَّ الدِّينَ يَمَّا يُعُونُكَ إِنَّمَا بِالْعُؤْنِ اللّٰهِ (پ ۹۷)

” جو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں۔“

پس محب اور محبوب کے درمیانی اشارات اور رموز کو ان کے سوا دوسرا جان بھی کیا سکتا ہے

اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إِنَّ لِقُرْآنٍ ظَهْرًا وَبَطْنًا وَلِلْبَطْنِ بَطْنٌ إِلَى سَبْعَةِ بَطُونٍ
” قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور اس باطن کا ایک باطن ہے اسی

طرح سات باطنوں تک۔“

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مفسرین کا منتہائے کلام قرآن مجید کے بطن اول تک ہی محدود ہے اور باقی باطنوں کو عارفین بمقدار اپنے مراتب کے ہی جانتے ہیں اور بس۔ اسی طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث و واقعات زمانہ کے اختلافات کے لحاظ سے متباہن اور مخالف واقع ہوتی ہیں۔ ان میں بھی ناسخ اور منسوخ ہیں اور مقدم و مؤخر اور راجح و مرجوح۔

ان امور کو ان لوگوں کے علاوہ جو علم حدیث میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا ان کی (محدثین کی) منتہائے کوشش اور غایت مقصد یہاں تک ہے کہ حدیث کی تصحیح باعتبار متن حدیث کے کر لیں اور اس کو جانچ اور پرکھ لیں۔ پس وہ اپنی صحیح نیت کی برکت سے اپنے غایت مقصود کو پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے اس بارہ میں نہایت مفید اور معتبر کتابیں تصنیف کیں جو مشہور ہیں۔ اور انہوں نے اس کے لیے اصول و قواعد وضع کیے تاکہ راویوں کے مراتب کی تمیز ہو سکے اور انہوں نے صحیح کو تقسیم سے اور قوی کو ضعیف سے الگ کر کے رکھ دیا (اللہ پاک ان کو جزائے خیر دے)

لیکن آیات اور احادیث سے احکام کا استنباط کرنا تو یہ مجتہدین کا کام ہے

اس لیے کہ ہر ایک فن کے علیحدہ ماہر ہیں مگر ہر کے ماہر کا رے ساختند۔
اس بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :-

وَنُورِدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلَى اَوْلِيَ الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلَّمْهُ
الَّذِيْنَ يَسْتَبْطُوْنَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ
رَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا (پہ ۸۷)

دو اگر اس کو (کسی بات کو) پہنچا دیتے رسول اور اپنے اولی الامر تک تو البتہ
معلوم کر لیتے اس کو وہ لوگ جو تحقیق کرتے ہیں اور اگر اللہ کا تم پر کرم نہ ہوتا
اور اس کی مہربانی، تو سوائے جہنم کے تم سب شیطان کی پیروی کرتے۔
” مراد اولی الامر سے علماء ہیں۔“

اور اگر استنباط کی ضرورت نہ ہوتی تو حق تعالیٰ رسول کے بعد قرآن میں اس کا ذکر
ہی کیوں کرتا۔ پس صحت حدیث ایک کام ہے اور اس سے حکم نکالنا (استنباط) دوسرا
کام۔ جس طرح سے کہ نحو کے علماء خلیل و سیبویہ وغیرہ ہیں جنہوں نے نحو کی کتابیں
تالیف کی ہیں اور عربی کے قواعد کو لغات سے تلاش کر کے نکالا ہے۔ تو ان کے متعلق
یہ کسی نے بیان نہ کیا کہ وہ فقہی مسائل کے بھی فتوے دیا کرتے تھے اس لیے کہ یہ ان
کا کام نہ تھا۔ اگر نادراً کوئی صورت واقع ہوئی ہو تو اس کا اعتبار نہیں جیسا کہ کہتے
ہیں کہ کسائی نحوی سے کسی نے پوچھا کہ جس شخص کو سجدہ سہو میں سہو ہو جائے تو کیا
وہ دوبارہ سجدہ سہو کرے گا۔ اس پر اس نے کہا کہ میرا گمان ہے کہ دوبارہ سجدہ کی ضرورت
نہیں۔ سائل نے کہا کیوں؟ کہو گے کہ مصغر کی پھر تصغیر نہیں ہوتی۔

خوارزمی نے اپنی کتاب مندر کبیر میں اپنی سند سے جو امام ابو یوسف کو پہنچتی ہے
بیان کیا ہے کہ امام ابو یوسف نے کہا کہ مجھے اعمش ملے اور انہوں نے کہا کہ تمہارے
صاحب (ابو حنیفہ) عبد اللہ ابن مسعود کی مخالفت کرتے ہیں۔ امام ابو یوسف کہتے
ہیں کہ میں نے کہا کس بات میں مخالفت کی ہے تو اعمش نے کہا عبد اللہ ابن مسعود
کہتے ہیں کہ باندی کے بیچ دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اور تمہارے صاحب

کہتے ہیں کہ نہیں ہوتی۔ " اہم ابو یوسف کہتے ہیں میں نے کہا کہ تمہیں نے تو ہم سے یہ حدیث بیان کی تھی کہ باندی کے بیچ دینے سے طلاق نہیں ہوتی۔ اعمش نے کہا کہ میں نے یہ کب کہا ہے۔ ابو یوسف نے کہا کہ تم نے ہم سے حدیث اس سند سے بیان کی تھی کہ آپ روایت کرتے ہیں ابراہیم سے اور وہ اسود سے اور وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہ

عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرَ الْبَرِيَّةِ -

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ (ایک باندی کا نام ہے) کو نکاح کے باقی رکھنے کا اختیار دیا تھا۔

اس پر ابو یوسف نے کہا کہ اگر باندی کی بیع طلاق ہی ہوتی تو پھر اس اختیار کے کیا معنی تھے۔ اس لیے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ نے اُسے خرید لیا تھا۔ پس اگر اس کی بیع طلاق ہی ہوتی تو البتہ حضور اکرم اُسے کیونکر اختیار دیتے۔ پھر اعمش نے کہا کہ اے ابو یوسف! کیا یہ اسی سے ثابت ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں اسی سے تو ہوتا۔ اہم محمد کہتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے کہ اعمش کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ فقہ کی دقیق باتوں کو خوب جانتے ہیں اور پوشیدہ علوم کے باریک کتوں کو غوامض کی اندھیروں میں بھی اپنے چراغ قلب کی روشنی سے دیکھ لیتے ہیں اتمنی۔

پس اگر قرآن مجید کلی اور جزئی سارے احکام اسلام میں کافی ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ :-

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (پہ ۴۴)۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (پہ ۸۴) وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ (پہ ۵۹)

”جن باتوں کا تمہیں رسول امر کریں ان پر عمل کرو اور جن سے نہی فرمائیں ان سے رک جاؤ اور جس نے رسول کی اطاعت کی تو تحقیق اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔“

اس سے صاف معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی احادیث نبویہ ہی تفصیل تفسیر اور

توضیح ہیں۔ اور اگر احادیث ہی اسلام کے سب احکام جزئیہ کے لیے کافی ہوتیں،
تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ :

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّتِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ مِنْ بَعْدِي (مشکوٰۃ)
اصحابی و کما لبعثتم بآیتمم ائمتد نیتم (مشکوٰۃ)

”تم میرے طریقے اور میرے خلفاء راشدین کے طریقے کو (جو میرے بعد ہیں)
لازم پکڑو۔“ اور یہ کہ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی
ان میں سے پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

اور اگر صرف خلفائے راشدین اور باقی اصحاب کی ہی سنت سارے واقعات
جزئیہ اسلامیہ میں (جو خاص خاص اوقات میں پائے جاتے ہیں) کافی ہوتی تو البتہ حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ :

لَا يَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ - وَ - عَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ فَإِنَّهُ
مَنْ تَشَدَّ شَدَّ فِي النَّارِ - (مشکوٰۃ)

میری امت گراہی پر جمع نہیں ہو سکتی اور (یہ کہ) بڑی جماعت کی پیروی کرو جو
اس سے جدا ہو گا وہ آگ میں جدا کیا جائے گا۔

یہ اور اس کے علاوہ اور احادیث جن میں اکثر امت کی پیروی کی طرف رغبت
دلانی گئی ہے مثلاً حدیث حضرت معاذ کے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :

إِنَّ الشَّيْطَانَ ذُنُوبُ الْإِنْسَانِ كَذُنُوبِ الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّاذَةَ وَالْقَاصِيَةَ
وَالنَّاجِيَةَ وَإِيَّاكُمْ فَالشَّعَابُ عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ (مشکوٰۃ)

”شیطان انسان کا بھیڑیا ہے بھیڑ بکریوں کے بھیڑیے کی طرح کہ بھٹکی ہوئی
اور ایسی بکری کو پکڑ لیتا ہے اس لیے تم گھائیوں سے الگ ہو اور اگے دکے
نہ ہو بکری جماعت اور عموم امت کے ساتھ رہنا لازم پکڑو۔“ (روایت کی
اس حدیث کی احمد نے)

اور مثل حدیث ابو ہریرہ کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شَبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ عَنْ عُنُقِهِ رَوَاهُ
احمد و ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف

” جو جماعت سے ایک باشت بھر بھی جدا ہوا تو اسلام کی رسی اس کی گردن سے کھل گئی۔“ (روایت کی ہے اس کی احمد و ابوداؤد نے ” مشکوٰۃ شریف) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ :

وَيَذِيعُ غَيْرِ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ لَوْلَا مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِمْ ۖ
سَاعَتٌ مَّصِيئًا ۗ (پ ۱۴۴)

” جو شخص مسلمانوں کے راستے کے سوا دوسرا راستہ چلے گا ہم اُسے چلاتے رہیں گے جس پر وہ چل رہا ہے اور پہنچا دیں گے اس کو جہنم تک اور وہ بری جائے بازگشت ہے۔“

پس شریعتِ مطہرہ انہی چاروں قطعی اور یقینی دلیلوں کا نام ہے ان کو اپنے اوپر لازم رکھو اور ایک بالشت بھی ان سے جدا نہ ہو۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شَبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ عَنْ عُنُقِهِ۔
” جو جماعت سے ایک بالشت بھی جدا ہوا تو اسلام کی رسی اس کی گردن سے کھل جائے گی۔“ (مشکوٰۃ)

پس دین کا تمام اور کمال ان ہی اَدْلَہُ مذکورہ کے التزام سے ہے۔ اور دین کا نقصان ان کے ترک یا بعض کے چھوڑ دینے میں ہے۔

دین ایک گھر کی مثال ہے اور یہ چار دیللیں اس کی دیواریں ہیں اور توحید اس کی چھت ہے پس جس طرح سے کہ گھر سے مراد چھت ہی ہوتی ہے لیکن چھت بغیر دیواروں کے قائم نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح دین اسلام کی چھت اگرچہ توحید اور رسالت ہے لیکن یہ دونوں بغیر ان دیواروں اور ستونوں کے استوار و قائم نہیں رہ سکتے۔ اگر تم کہو کہ دین اسلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں کامل ہو چکا اس کی دلیل یہ ہے کہ خلفائے

فرماتا ہے:

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ

لَكُمْ دِينَكُمْ دِينًا (پطع ۵)

” آج میں کامل کر چکا تمہارے لیے تمہارا دین اور پورا کیا تم پر اپنا احسان اور پسند کیا اسلام

کو تمہارے دین بننے کے لیے۔“

پس کمال کے بعد پھر کیا نقصان ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ کہ آیت مذکورہ کمال دین پر بیشک دلالت کرتی ہے لیکن باعتبار امور کلیہ کے نہ بلحاظ امور جزئیہ کے۔ یعنی دین پورے جزیرۃ العرب میں شائع ہو گیا اور مکہ فتح ہو چکا اور اسلام کا غلبہ کفر اور اویان باطلہ پر ظاہر ہو گیا اور ارکان اسلام روزہ و نماز، زکوٰۃ و حج سب پر واضح ہو چکے۔ یہ اس طرح ہے جیسا کہ حضور فرماتے ہیں کہ الْحَجَّ عَرَفَتْ (حج عرفہ سے) حالانکہ یہ سب لوگ جانتے ہیں کہ عرفہ کے علاوہ حج کے اور بھی ارکان ہیں لیکن جبکہ عرفہ حج کے بڑے ارکان میں سے تھا۔ اس لیے پورے حج کو عرفہ سے تعبیر کیا گیا۔

اور جس طرح سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

الصَّلَاةُ عِمَادُ الدِّينِ فَمَنْ أَقَامَهَا أَقَامَ الدِّينَ وَهَنْ تَرَكَهَا

فَقَدْ هَدَمَ الدِّينَ۔

” نماز دین کا ستون ہے جس نے نماز کو قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا اور

جس نے اسے چھوڑ دیا تو اس نے دین کو گرا دیا۔“

اور یہ بات معلوم ہے کہ دین کا قائم رہنا محض نماز ہی پر نہیں ہے بلکہ اس کے اور بھی ارکان ہیں۔ جیسے روزہ، حج، اور زکوٰۃ وغیرہ۔ لیکن نماز چونکہ ان ارکان دین میں زیادہ ضروری تھی۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ستون دین فرمایا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آیت مذکورہ کے نزول کے بعد تقریباً تین مہینے اس دنیا سے فانی میں رونق افروز رہے اور اس زمانے میں آپ نے امر بھی

کیے اور نہی بھی فرمائی ہے اور لیا اور دیا بھی ہے۔ تو اگر دین جزئیات کے اعتبار سے بھی تمام اور کامل ہو چکا تھا تو پھر آپ کے اوامر اور نواہی کے لیے کوئی موقع نہیں رہتا اور آپ کے اس ارشاد کے لیے کہ:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّتِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهَدِّدِينَ مِثْرَ
بَعْدِي (مشکوٰۃ، باب الاعتصام، مختصراً)

”میرے بعد میری سنت اور خلفائے راشدین مہدیتین کی سنت کو مضبوط رکھو“

کوئی محمل نہیں نکلتا۔

اور اگر تم کہو کہ خیر القرون کے اکثر لوگ اور سلف صالح اجراء اور قیاس کے انعقاد کے قبل ہی گزر گئے۔ جن کو آپ ارکان دین اور پیشوایان امت سے کہتے ہیں۔ حالانکہ ان کا دین کامل تھا اور بے حد کامل۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کے چار مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ ہمارے سرور آقا و مولا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور آپ تمامی لوگوں میں فردا کمل ہیں اور آپ ایسے مبارک اور برگزیدہ قطب اور مرکز ہیں جس پر پورے اسلام کی چکی گھوم رہی ہے۔ جن کا سینہ مبارک اللہ تعالیٰ نے کھول دیا تھا اور جن کے ذکر کو بلند فرما دیا ہے۔ اور جن کو ساری خلقت سے اپنے لیے چن لیا ہے۔

اور جن کو علوم اور اسرار سے اس قدر عطا فرمایا ہے کہ سارے جہان میں کسی کو نہیں عطا کیا تو آپ کو اولیٰ اربعہ (چار ولیوں) میں سے صرف قرآن ہی کافی ہے۔ جو آپ پر نازل ہوا آپ کو اس کے علاوہ اور کسی چیز کی حاجت نہیں۔

دوسرا مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے۔ ان کا زمانہ زمانوں میں بہترین ہے اور وہ وہی ہیں جن کو خداوند تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور رفاقت کے لیے پسند فرمایا اور ان کے سینوں سے اللہ تعالیٰ نے کھوٹ، اور کینہ، اور حسد اور دنیا کی محبت، اور نفس اور شیطان کی خواہشیں اور لذتیں نکال دی تھیں۔ صورتاً اپنی آدم لیکن سیراً ملائکہ تھے۔ ان کے سینے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت